Present of Sincerely

To

Dr. Ram Babu Saksena, Rai Bahadur,
M.A., LL.B., D.Litt.,
(Honoris Causa)

Author of 'A History of Urdu Literature'.

By

Hashmi.
Salik-ul-Hashmi 29/1/48
B.A., LL.B.,
Advocate, Tonk.
(Author).

سرمایہ داری

(سربرآوردہ اقوام وممالک کی اقتصادی تاریخ)

سالک الہاشمی بی، اے (علیگ) ایل ایل بی

بار اوّل ۱۹۴۷ء

قیمت تین روپیہ

پبلشر

الہ آباد پبلشنگ ہاؤس الہ آباد

مطبوعہ

سلیمی برقی پریس۔ یحییٰ پور۔ الہ آباد

انتساب

مزدور تحریک کی روح انقلاب کے نام

فہرست مضامین

پیش لفظ

آمادہ می شدم مگر امشب نظارہ را
پیوند می کنم جگر پارہ پارہ را

تاریخ عالم کے نہج اور ثقافتی تغیرات کے استقلال کو دوربین نگاہوں سے دیکھ کر انگریزی کے مشہور شاعر ٹینی سن نے اپنے ایک شعر میں زمانہ کا جائزہ لیا ہے۔ یہ تاریخ کا دل دادہ شاعر کہتا ہے کہ "نظام فرسودہ ہمیشہ اپنی جگہ شوخ و شنگ نگارِ عصرِ جدید کو دے دیتا ہے"۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ زمانہ کے تضادات اس کی ہلاکت کا سبب بن جاتے ہیں اور جہانِ نو ہمہ گیر لطافتوں اور انسانیت کے تقاضوں کا علم بردار بن کر پیدا ہوتا ہے اور ضروریاتِ زندگی کو پورا کرنے کا سامان فراہم کر دیتا ہے۔

حاکم و محکوم، فقیر و امیر، آقا و غلام اور سرمایہ و محنت کے تضادات سے آج ہم بھی دوچار ہیں لیکن یہ تضادات ہی قصرِ عالم کو منہدم کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوں گے۔ غریب، محکوم، غلام، کسان اور مزدور بیزار ہو کر خود ساختہ جابر اور قاہر پروردگارانِ تہذیب سے بغاوت کریں گے اور عصرِ جدید کے قمار خانہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ قصرِ عالم کے اسی "کھنڈر" اور تہذیبِ جدید کی اس سوختہ سامانی پر خوش آیند زمانہ کی بنیاد رکھی جائے اور وہی عالمِ جمہور ہماری نگاہوں کی زینت بنے گا۔ جس کی ہمیں عرصہ سے تلاش ہے، بے چینی سے جستجو ہے۔

"سرمایہ داری" میں اسی مشاہداتی تجربہ کا تجزیہ ہے، اسی تحقیق

نظریہ کی تفصیل ہے۔ یہ سربرآوردہ اقوام اور مشہور ممالک کی اقتصادی تاریخ ہے جس میں متعلقہ سیاست اور طبقاتِ عالم کی تحریکات پر اچھی طرح روشنی ڈالی گئی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ زبان کی سلاست کا بھی خیال رکھا ہے ہندستان کے سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی مسائل پر مفصل طور سے بحث کی ہے۔

اس کا مجھے اعتراف ہے کہ بعض ممالک کے حالات اس کتاب میں شامل نہ ہو سکے جس کا سبب یہ ہے کہ انگریزی یا اردو میں اُن کے متعلق تفصیلی معلومات فراہم نہ ہو سکی لیکن تصنیف کے مقصد (SPIRIT OF WORK) کو آخر تک مدِ نظر رکھا گیا یعنے سرمایہ داری کے دیوِ استبداد کو اصلی روپ رنگ میں پیش کرنا، ذہنی انقلاب کی تلقین اور نظامِ نو قائم کرنے کی امکانی کوشش۔ اگر قارئین، سرمایہ داری، کسان، مزدور، غریب اور محکوم کی جہد للبقا کی مشکلات کا اندازہ کر کے چارہ گری کی فکر پر آمادہ ہو جائیں تو میں سمجھوں گا کہ میں ذہنی انقلاب پیدا کرنے میں کامیاب ہو گیا اور مقصدِ تصنیف پورا ہو گیا، جس کی قوی امید ہے۔

یہ امر مسلّم ہے کہ ہندوستان میں کسانوں کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن کون نہیں جانتا کہ کسان کے مقابلہ میں مزدور کی حالت اقتصادی اعتبار سے زیادہ خراب ہے اس لئے سرمایہ داری کو ختم کرنے کے لئے قائدینِ ملک کو "تدفینِ زمینداری" (ABOLITION OF ZEMINDARI) سے قبل عملی قدم اٹھانا ناگزیر تھا کیونکہ سرمایہ دار کی ستم ظریفی "خالق مصنوعات" (مزدور) کو محروم الملک رکھنے پر مجبوبانہ عشوہ طرازی سے کم نہیں جس پر جبریہ تمسخر کے ساتھ یہ کہنے کو دل چاہتا ہے کہ

از کف نمی دہد دل آساں ربودہ را
دیدیم زورِ بازوئے ناآزمودہ را

میں اگرچہ راجپوتانہ کی ایک تاریخی ریاست ٹونک میں پیدا ہوا لیکن پرورش، تعلیم، تربیت اور ملازمت صوبہ ہائے متحدہ (UNITED PROVINCES) کی رہین منت ہیں اور دورانِ تعلیم نیز اس کے بعد کسان، فیکٹری کے مزدور "کلرک" اور پرولتاری (PROLETARIAT) و متوسط طبقات سے سابقہ رہا۔ حکومت، زمینداری، جاگیرداری، ساہوکاری و سرمایہ داری کے ہمت شکن جبر و تشدد کو بہ نظرِ غائر دیکھنے کا پورا پورا موقع ملا۔ میں خود ایک متوسط اور ذی علم خاندان سے تعلق رکھتا ہوں یہی خلش اور ذوق آج ایک ایسی تصنیف پیش کرنے کا موجب بنے جو عصر جدید کی فرسودگی کے لئے تازیانۂ عبرت ثابت ہو اور قدامت پرستی کی تخریب کے ساتھ ذہنی انقلاب پیدا کرنے کا تعمیری کام بھی انجام دے سکے کوشش تو یہی کی گئی ہے کہ سیاست اور اقتصادیات عالم (POLITICAL ECONOMY) سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب کی خدمت میں تحفۂ نایاب پیش کرسکوں۔ آیا میں اس میں کامیاب بھی ہوا اس کا فیصلہ صاحبانِ ذوق و نظر پر چھوڑتا ہوں

اگرچہ کم عمر ہونے کی وجہ سے اپنی پہلی تصنیف پریس کو دیتے ہوئے جھجک محسوس کرتا تھا الا میں سمجھتا ہوں ہر مصنف کی حالت ابتداً یہی ہوتی ہے۔ لیکن ممنون ہوں اپنے عزیز بھائی قمر ہاشمی سلمہٗ کا کہ موصوف نے "سرمایہ داری" کو "سیاست حاضرہ کی تاریخ "نشاۃ الثانیہ" کہہ کر پریس کو دینے پر اصرار کیا اور شکر گزار ہوں مکرمی پروفیسر ادریس احمد صاحب ادیب نیز ہاشم صاحب و طالب صاحب پروپرائٹرز الہ آباد پبلشنگ ہاؤس

الہ آباد کا کہ میری کاوشوں کو سراہا اور پرخلوص الفاظ میں "اعتراف خدمت" کیا
امید ہے کہ ناظرین سرمایہ داری اپنے گراں بہا مشوروں سے سرفراز
فرمائیں گے اور اگر اس "اقتصادی تاریخ میں جو" مجبور و بے کس" انسانوں کی
مصیبتوں کی داستان ہے اقدارِ حیات اور تعمیری پروگرام کی جھلک پائیں گے
تو ہمت افزائی سے بھی دریغ نہ فرمائیں گے۔

ہستیٔ دل غمِ ہستی کے سوا کچھ بھی نہیں
ہدیۂ سوزِ جگر، دیدۂ تر لایا ہوں

سالک الہاشمی (علیگ) مصنف

ہمایوں باغ۔
کانپور

۱۹۴۷ء

٧٨٦

سرمایہ داری

حصّہ اول

باب اوّل

تمہید

علم معاشیات میں "سرمایہ" اس دولت یا دولت کے اس حصہ کو کہتے ہیں جو تجارت یا صنعت و حرفت میں مزید نفع حاصل کرنے کے لئے صرف کیا جائے مثلاً ایک صاحب ثروت نے پانچ ہزار روپے سے تجارت شروع کی سال بھر کے بعد اسے تین ہزار کا نفع ہوا اگر وہ پانچ ہزار روپیہ سے تجارت نہ کرتا تو تین ہزار روپئے اس کو ہرگز نہیں ملتے۔ پانچ ہزار روپے ایک کام میں لگائے گئے اور تین ہزار کا

منافع حاصل ہوا لہذا اس کے پانچ ہزار روپئے اس کا 'سرمایہ' ہوا اس نے مزید روپیہ کمانے کے لئے جو عمل کیا اس کو "سرمایہ داری" کہتے ہیں اور روپیہ پیدا کرنے والے کو "سرمایہ دار"۔ سرمایہ داروں کی معاشی حیثیت بھی "سرمایہ داری" ہے۔

سرمایہ داری کا لفظ انیسویں صدی کے دوسرے نصف حصہ سے بہت زیادہ استعمال ہو رہا ہے یہ ساری دنیا کی تقسیم دولت اور موجودہ طریق تجارت کو ظاہر کرتا ہے۔

لوگ سرمایہ داری سے ناواقف نہیں کیونکہ سرمایہ داری تقریباً دنیا کے ہر ملک میں اور ہر فرقہ و قوم میں پائی جاتی ہے۔ بہرحال موجودہ اصطلاح میں اگر سرمایہ داری کی مختصر تعریف کی جائے تو یہ ہو سکتی ہے کہ "ایک فرد یا چند افراد اپنی پونجی سے کوئی تجارتی یا صنعتی کام شروع کریں جس کے انجام پذیر ہونے کے لئے وہ عسرت زدہ انسانوں کو مقرر کریں اور اپنے خیال کے مطابق ان کی مزدوری ادا کردیں"۔

آرتھر ینگ[۱] سرمایہ دار کو "صاحب دولت" کہتا تھا اور اوویں[۲] کالرج نے سرمایہ دار کو ہمیشہ "مزدوروں کا حاکم" کہہ کر یاد کیا جس سے کارل مارکس[۳] کے دل پر بہت زیادہ اثر ہوا اور اس نے اپنا نظریہ لوگوں کے سامنے پیش کیا جو اشتراکیت[۴] کے نام سے مشہور ہے۔

---

۱ ۱۶۹۴ء ۔ ۲ ۱۸۲۳ء ۔ ۳ ۱۸۱۸ء تا ۱۸۸۳ء ۔ ۴ SO[illegible]ISM

اس کے بنیادی اصول یہ ہیں کہ کام اور سرمایہ جتنا بھی برابر برابر تقسیم ہوں اور کسی طریقے سے ایک آدمی کو دوسرے پر فوقیت حاصل نہ ہو۔ سرمایہ داری اور استبداد کے نظام کو مٹا دیا جائے اور سلطنت یہ قوم کا یا قومی حکومت کا ہونا چاہئے کسی کے پاس ذاتی ملکیت اتنی نہ ہو کہ وہ انفرادی سرمایہ سے تجارت کرے یا کارخانہ کھول کر اس میں مزدور بھرتی کرے اور خوب کام لے کر معمولی سی مزدوری پھینک کر اسے دے دے اور دوسرے کی گاڑھی کمائی خود ہضم کر جائے اور خوب عیش و عشرت اور رنگ رلیوں میں زندگی بسر کرے۔ ہم "سرمایہ داری اور اشتراکیت" کے باب میں سرمایہ داری اور کارل مارکس کی تعلیم کو مفصل طور سے بیان کریں گے۔

مختصر تمہید کے بعد ہم اب سرمایہ داری کا تاریخی پس منظر پیش کرتے ہیں۔

سرمایہ داری کا تاریخی پس منظر

دنیا میں انسان کے آباد ہونے کی تاریخ "پانچ لاکھ برس قبل" بتائی جاتی ہے اور اوراقِ تاریخ اس بات کے شاہد ہیں کہ دنیا کے قریب قریب ہر حصہ کی ابتدائی تاریخ بہت ملتی جلتی ہے چنانچہ تمام اقطاعِ عالم میں انسانی زندگی اپنے مختلف دوروں سے بتدریج ترقی کرتی ہوئی اس طرح گذری ہے کہ سب سے پہلے

وہاں کے باشندے وحشی ثابت ہوئے جو پتھر کے اوزار بناتے اور استعمال کرتے تھے اور جنگلی جانوروں کے شکار پر ان کی گزر ہوتی تھی۔

اس کے بعد تاریخ ان لوگوں کا ذکر کرتی ہے جن کی قوتِ محرکہ بڑھی ہوئی تھی، وہ گاؤں اور قصبوں میں جماعتیں بنا کر رہتے تھے دھات کے اوزار بناتے اور استعمال کرتے تھے جانور پالتے اور کاشتکاری کرتے تھے، نقوش صناعی سے غاروں کو نگارخانہ مانی بناتے تھے۔ غیر قوموں کو غلام بنا کر ان سے اپنی خدمت لیتے تھے، مل جل کر رہتے تھے اور کل جماعت کا ایک سردار ہوتا تھا۔

زمانۂ مابعد میں دنیا کے پرانی تہذیب والے ممالک (۱) مصر (۲) چین (۳) ہندوستان اور (۴) بابل کی بہت منظم سلطنتیں بن گئیں۔ تاریخ ہند میں "چکر ورتی راجہ" اور "مہاراجہ" کی قسم کے مختلف القاب پائے جاتے ہیں جو اشومیدھ یگیہ جیسی رسوم ادا کر کے اپنی بڑی بڑی سلطنتیں قائم کرتے تھے۔ یہی وہ زمانہ ہے جب ہندوستان میں "نشک" نامی سکہ لین دین کے لئے جاری ہوا۔

اگر مسکن کاشتکاری کے لئے مفید ثابت ہوا تو اوزار، زمین اور مویشی لوگوں کا سرمایہ بن گیا اور زمین زرخیز مل گئی تو سب کا دار و مدار شکار پر ہوا۔ اور اس حالت میں ان لوگوں نے ہتھیاروں، چراگاہوں اور جنگلوں پر مخالفین کا قبضہ نہ ہونے دیا لیکن یہ

امر پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا کہ اوزار، اسلحہ، سکّہ، زمین، غلام اور مویشی غرض ہر سرمایہ پر اول اول انفرادی قبضہ ہونا نہیں پایا جاتا بلکہ اجتماعی طور پر کل قوم کے تصرف میں سارا سرمایہ رہتا تھا۔

ارسطو کا زمانہ

حکیم یونانی، فلسفئ اعظم ارسطو کا قول ہے کہ "ملکیت کو ذاتی رہنا چاہئے لیکن اس کا استعمال مشترک ہونا چاہئے۔"
چونکہ سکے جاری ہو گئے تھے لہذا جن لوگوں کو اپنے باپ دادا کے ورثہ میں جائداد اور دولت ملی تھی وہ کم سرمایہ اور بے دولت والوں سے مکان بنواتے، باغ لگواتے، کاشتکاری کراتے اور ان کو مختلف کاموں میں لگاتے تھے۔ جب وہ محنت اور جانفشانی سے کام پورا کر دیتے تو ان کو معمولی سا معاوضہ دیدیتے تھے اور فصلوں اور پھلوں کو فروخت کر کے خود کافی رقم لوگوں سے اینٹھتے تھے۔ اس برے طریقہ کو افلاطون نے بھی ناپسند کیا اور اسی کی تقلید ارسطو نے بھی کی کیونکہ اس سے ایک طبقہ امیر ہوتا جاتا تھا اور دوسرے طبقوں کے لوگ امرا کے غلام رہتے تھے نیز یہ کہ امیر طبقہ کے لوگ تجارت کر کے دوسروں کا روپیہ کھینچ لیتے تھے جس سے عام لوگوں میں افلاس پھیلتا تھا۔ اسی لئے ارسطو نے یہ نصیحت کی ہے۔ ارسطو کا یہی کہنا تھا کہ "زن، زر اور زمین کسی خاص آدمی کا سرمایہ نہیں۔ جماعت کے ہر فرد کو ان پر قبضہ رکھنے کا حق ہے۔"

مطلب اس کہنے کا یہ تھا کہ سب مساوی طور پر زندگی بسر کریں جس کا جس سے جی چاہے شادی کرے، جہاں چاہے رہے اور برابر تقسیم دولت ہونی چاہیئے۔ تاکہ جتنا سرمایہ ایک کے پاس ہو اسی قدر دوسرے کے پاس بھی موجود ہو۔ اس کا غلط مطلب اخذ نہیں کرنا چاہیئے جیسا کہ اکثر لوگ کیا کرتے ہیں۔

بہر حال سرمایہ داری کی ابتدا ہو چکی تھی اور مصلح اس نظام کی اصلاح میں تحریر و تقریر دونوں سے کام لیا کرتے تھے۔ لیکن اپنے مقصد میں کسی کو کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔

اسلام اور سرمایہ داری

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قبل اور ان کے بعد نظام سرمایہ داری پھیلتا اور بڑھتا رہا یہاں تک کہ سرزمین حجاز کے ایک مشہور شہر مکۂ معظمہ میں پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ۶۱۰ء میں زمانہ کو رونق بخشی اور آپ نے اسلام کے زریں اصول لوگوں کو سکھائے۔ اخوت اسلامی کا سبق پڑھایا۔ بد عادات کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا۔ لوگوں نے قابل نفرت روایات کہن اور نفس کے پیدا کئے ہوئے شر دل کو ترک کر دیا اور رسول پاک صلعم کی تعلیم حاصل کر کے سب ایک اعلیٰ معیار کی زندگی گزارنے لگے۔ خلفاء راشدین (رسول اللہؐ کے نائب) کے زمانہ میں جب اسلامی حکومت منظم ہو گئی تو بیت المال قائم ہوا۔

جس میں مسلمانوں کا سرمایہ جمع ہوتا تھا اور تقسیم سرمایہ بالکل برابر برابر ہوئی چنانچہ خلفاء اور معمولی آدمیوں میں کوئی فرق نہ رہ گیا۔ خلیفہ اور عوام پر سرمال برابر تقسیم ہوتا تھا اور کام بھی سب مل کر کرتے تھے جس کا دل چاہتا تھا خلیفہ کو رائے دیتا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ رسول پاک کی تعلیم و تلقین نے قصر سرمایہ داری کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور کسی کو کسی پر تقسیم مال کے لحاظ سے کوئی فوقیت نہ رہی اگر عوام میں سے ہر ایک کو ایک ایک چادر ملتی تو خلیفہ کو بھی صرف ایک ہی چادر بیت المال سے دی جاتی تھی اور حکومت کے سرمایہ پر انفرادی قبضہ نہیں تھا بلکہ مجموعی طور پر سب مسلمانوں کا تصرف تھا۔ یہ اسلام کا زبردست کارنامہ تھا۔

اسلام میں سرمایہ داری کی مخالفت اور اشتمالیت و اجتماعیت کی تاکید کیا ہے۔ اس سے سرمایہ داری کو زبردست ٹھیس لگی۔ علاوہ اس کے ہمارے ہندوستان، چین اور جاپان میں کئی صدی تک بدھ مت اور صداے "پرمود دھرم" نے بھی سرمایہ داری کو دبائے رکھا۔ لیکن پھر سرمایہ داروں نے اپنا ظالم نظام قائم کرلیا۔ گو چودھویں صدی تک مزدوروں پر اتنا ظلم و ستم نہیں ہوا جس قدر آج ہوتا ہے چنانچہ اسی خیال کی بابت ڈاکسیا لکھتا ہے کہ "اکثر مالک خود کفیل تھے جذبۂ حصول منفعت رکھتے تھے لیکن اس زمانہ اور موجودہ دور میں فرق بھی ہے کہ زمانہ ماضی میں محنت

اور معاوضہ میں رشتہ قائم تھا۔ اخلاقی تصورات مثلاً "واجبی قیمت" ... "واجبی اجرت" کی ادائیگی پر لوگ سختی سے عمل پیرا تھے۔" بہر حال سرمایہ داری کا طریقہ صدیوں سے معرض وجود میں آ چکا تھا جس کا استعمال آہستہ آہستہ ہوتا رہا اور آج کل کے طوق سرمایہ داری کی لعنت کا طوق لوگوں کے گلوں میں پڑ گیا۔

پندرھویں اور سولھویں صدیاں

پندرھویں اور سولھویں صدیوں میں امیروں نے غربا پر سخت مظالم کئے ان کو ستانے کی ایک نئی ترکیب سوچی، وہ یہ کہ کھیتوں کو چراگاہوں میں تبدیل کر دیا، اس سے سینکڑوں مزدور بے کار ہو گئے کیونکہ جس کھیت کی بوائی، نگرانی اور کٹائی وغیرہ میں پچیس مزدوروں کی ضرورت تھی اسی کھیت کے چراگاہ میں بدل جانے سے صرف ایک آدمی سے کام چل جاتا تھا۔

ہر زمانہ مزدوروں کی شامت اعمال سے ان کے لئے صورت نازک اختیار کر کے آیا۔ اس زمانہ میں مزدوروں اور معمولی طبقہ کے لوگوں کی حالت تقریباً ہر جگہ بہت خراب تھی۔

اٹھارویں صدی اور اس کے بعد

اس زمانہ کو اگر "مشین کاری کا عہد" کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کیونکہ اس زمانہ میں ہر کام کے لئے ایک نئی مشین ایجاد ہو گئی اور جگہ جگہ مشینوں سے کام لیا جانے لگا۔ پہلے اگر دس گز کپڑا دس مزدور

دودن میں بنتے تھے تو اب وہ ایک مزدور ہی کی کوشش سے مشین کے ذریعہ گھنٹہ بھر میں بُنا جانے لگا۔ اس سے سرمایہ دار کو دو قسم کی بچت ہوئی۔ ایک تو وقت کی اور دوسرے آدمیوں کی مگر اس سے مزدوروں کو بہت نقصان ہوا، اس دور میں مشین کی وجہ سے بے روزگاروں کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی۔ مشینوں میں زیادہ جانفشانی کی ضرورت ہوئی اور مزدوری پھر بھی نہیں بڑھی۔ کم وقت میں کم مزدوروں کی مدد سے سرمایہ دار کو بہت زیادہ پیداوار اور مصنوعات ملنے لگیں۔ جنگوں کے لئے سامان حرب، واسلحہ وغیرہ مہیا کر کے سرمایہ دار بہت زیادہ منافع حاصل کرنے لگے مشین کی قیمت اور مزدوری وغیرہ سب منہا کر کے بھی سرمایہ دار کو ہر سو روپیہ پر چار سو کا نفع ملنے لگا مگر مزدور کی برات شاخ آہو پر ہی رہی اور دانے انبار میں سے دانہ اور دریا میں سے قطرہ ہی ملتا رہا اس سے بے روزگاری مفلسی اور بے چینی عوام میں بہت زیادہ پھیل گئی۔

ہمارے ہندوستان کو اسی زمانہ میں "صاحبان کمپنی" اپنی تجارت اور صنعت وحرفت کی منڈی بنائے ہوئے تھے جب انھیں روپیہ کی ضرورت ہوتی تو اسے کسی نہ کسی طریقہ سے حاصل ضرور کر لیا کرتے تھے خواہ کچھ بھی کرنا پڑے کبھی انھیں روپیہ حاصل کرنے کے لئے بیگمات اودھ سے "معاہدہ" کرنا پڑتا تھا اور کبھی رہیلوں کی لڑائی میں حصہ لئے بغیر بن نہ آتی تھی۔

اس دور میں ہر جگہ معمولی طبقہ کے لوگوں کو سرمایہ دار طرح طرح سے دکھ پہنچایا
کرتے تھے۔ ان کی معمولی آمدنی پر بھی ٹیکس لگایا جاتا تھا۔ مزدوری
کا نرخ گھٹا کر ان کو مجبور کیا جاتا تھا کہ اسی مقررہ نرخ پر وہ کام کریں۔
اگر مزدور زبان پر حرف شکایت لاتے تو ان کو پولیس اور مسلح فوج سے ڈرایا
دھمکایا جاتا تھا۔ بعض کو جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑتا تھا۔ اپنی مفلسی
سے مجبور ہو کر مزدوروں نے اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی مزدوری پر
لگا دیا جس سے ان کے پیٹ کی دوزخ بھرنے کا انتظام بھی بگڑ گیا اور
نسلیں بھی برباد ہو گئیں۔

اس زمانہ میں اور اس کے بعد بھی سرمایہ داروں نے غریب مزدوروں
کی صحت، نسل، قوت، سمجھ اور جان و مال سب کو خاک میں ملا دیا۔ اس
جور و استبداد ہی کی وجہ سے یہ "بورژوا[1] طبقہ کا عہد" یا "سرمایہ داروں
کا زمانہ" کہلانے لگا۔ بورژوا طبقہ کے لوگ مزدوروں اور ادنیٰ
لوگوں پر اسی طرح صدیوں سے جور و ستم کرتے چلے آئے ہیں اور
ان کی ہر چیز برباد کر چکے ہیں مگر ان کے دلوں میں انتقام کے شعلے بھڑک
رہے ہیں جس کی آگ بغاوتوں اور صنعتی انقلابوں کی صورت میں
شعلہ بار نظر آتی ہے۔

بہرحال انفرادی مزدور اور انفرادی سرمایہ دار کا تصادم
رفتہ رفتہ دو معاشی طبقوں کے تصادم کی حیثیت اختیار کرتا جاتا

---

[1] فرانسیسی لفظ ہے۔

ہے۔ مزدور بورژوا کے خلاف اپنی جمعیتیں بناتا ہے۔ اجرت کا نرخ بڑھاتا
جاتا ہے۔ باہم ملنے کی کوشش کرتا ہے اور ہنگامی شورشوں کے لئے
پہلے سے باقاعدہ انتظامات کر لیتا ہے جس کے لئے مستقل انجمنیں بناتا
ہے اور ہم روز اخباروں میں دیکھتے ہیں کہ کہیں کہیں یہ مقابلہ بلووں کی
شکل اختیار کر لیتا ہے۔ ان بلووں اور بغاوتوں میں کبھی کبھی مزدور
بھی فتحمند ہوتے ہیں لیکن عارضی طور پر، مگر یہ حالت ایک ہی سی
نہیں رہتی۔ کہیں کہیں مزدور سرمایہ دار کو اس بات پر مجبور کر دیتا ہے کہ
مستقل طریقے سے ان کے معاوضہ کا نرخ بڑھا دیا جائے۔ کام کرنے
کے گھنٹے مقرر کئے جائیں جس سے زیادہ کام لینے کا حق سرمایہ دار کو
نہیں ہو سکتا۔ ان کے رہنے کے مقامات کا انتظام حفظان صحت
کے اصول پر کیا جائے اور ان کے ان جائز مطالبات کو پورا کیا جائے

مزدوروں اور بورژوا کے تنازعہ پر بحث کرتے ہوئے کارل مارکس
کہتا ہے کہ "مزدوروں کے معرکوں کا اصلی پھل ان کے فوری نتیجہ میں
نہیں ہوتا بلکہ مزدوروں کے روز بروز بڑھتے ہوئے اتحاد میں۔
اس اجتماعی قوت کو مدد ان ترقی یافتہ ذرائع آمد و رفت سے ملتی ہے جو موجودہ صنعت
نے پیدا کر دئے ہیں اور جو مختلف مقامات سے مزدوروں میں باہم
تعلق پیدا کر دیتے ہیں۔ متعدد مقامی معرکوں کو جن کی نوعیت ایک ہی
تھی مرکزی حیثیت سے مجتمع کر کے معاشی طبقوں کی ایک قومی
جنگ بنانے کے لئے اس تعلق کی ضرورت تھی لیکن معاشی طبقوں

کی ہر لڑائی سیاسی جنگ ہے اور جس اتحاد کے پیدا کرنے کے لئے قرونِ وسطےٰ کے شہریوں کو اپنی خراب سڑکوں کی وجہ سے صدیاں درکار تھیں وہ ریلوں کا بھلا ہو، موجودہ مزدور طبقہ چند سال میں حاصل کر لیتا ہے۔ مزدوروں کے ایک طبقہ میں اور نتیجۃً ایک سیاسی جماعت کی شکل میں تنظیم برابر اس مقابلہ کی وجہ سے بکھر جاتی ہے جو خود مزدوروں میں باہم موجود ہے لیکن یہ پھر اٹھتی ہے اور پہلے سے مضبوط تر، پائندہ تر، ہو کر بورژوا طبقہ میں جو باہمی مخالفتیں ہیں ان سے فائدہ اٹھا کر یہ مزدوروں کے بعض مخصوص مطالبات کو قانوناً تسلیم کرا لیتی ہے۔"

ہمیں امید ہے کہ سرمایہ داری کا ناجائز اور تکلیف دہ نظام بہت جلد ختم ہونے والا ہے کیونکہ ظلم کا پودا ہمیشہ کمزوری کی زمین میں اُگا کرتا ہے اور زبردست پنجوں کے سے بہت جلد نیچے آجاتا ہے۔ بھوکے مرنے والے مزدوروں کا پیمانہ صبر لبریز ہو چکا ہے۔ وہ متحد ہوتے جا رہے ہیں۔ نوجوان اور عقلمند لوگ انسانیت، مساوات اور اشتراکیت کے گیت گاتے ہیں حالات بدلتے جا رہے ہیں اس لئے قوی امید ہے کہ وہ زمانہ دور نہیں جب دنیا کے زیادہ حصہ پر چھایا ہوا سرمایہ داری کا ملعون نظام دنیا سے ناپید ہو جائے گا۔ دنیا میں ہر شخص برادری، قوم اور وطن میں مساوی شخصیت و برابر حیثیت کا مالک ہوگا اور سب کے حقوق و فرائض مساویانہ ہونگے۔

اور سب زندگی کے ایک معیار پر آ کھڑے ہوں گے جس میں نہ اجرت
کی کمی کی شکایت ہوگی نہ زیادتی کام کی جس میں نہ تقسیم دولت تکلیف دہ
ہوگی۔ نہ انفرادی سرمایہ لوگوں کو غلام بنائے گا۔ نہ ہر وقت کام میں لگے
رہنے کا دکھ ہوگا نہ بے روزگاری اور بے چینی کے لوگ شاکی ہوں گے۔
جو جتنا کام کرے گا اتنا ہی کمائے گا' قومی سرمایہ ہوگا اور دولت و کام
سب پر برابر تقسیم کیا جائے گا۔ اس لئے سب ایک حالت میں ہوں گے
اور سب خوش حال ہوں گے۔ اس زمانہ کی بشارت ہمیں ایک بہت
زبردست' عالم نجومی دے چکا ہے ؎

جہانِ نو ہو رہا ہے پیدا یہ عالم پیر مر رہا ہے
جسے فرنگی مقامروں نے بنا دیا ہے قمار خانہ

(اقبالؒ)

حصّۂ دوم

دنیا کے ممالک اور سرمایہ داری

حصّہ دوم

باب اوّل

مشرقی یورپ

سرمایہ داری کی ابتدا اور ارتقا پر بحث کرنے کے بعد ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ سرمایہ داری کی صورت دنیا کی بڑی بڑی آزاد سلطنتوں میں کیا رہی ہے۔ سب سے پہلے ہم یورپ کے ممالک کو معرض بحث میں لائیں گے۔ اس مقصد کے لئے یورپ کو ہم تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں :-
(۱) مشرقی یورپ کی طاقتور حکومتیں (۲) یورپ کے وسطی ممالک۔
(۳) مغربی یورپ کی طاقت۔

(الف) روس

(۱) مشرقی یورپ کی طاقتور آزاد حکومتیں اور سرمایہ داری مشرقی

مشرقی یورپ میں روس ایک زبردست آزاد حکومت ہے۔ جو "متحدہ سوویت اشتراکی جمہوریت" کے نام سے مشہور ہے۔ قبل اس کے کہ ہم "روس اور سرمایہ داری" کے عنوان پر مضمون قلم بند کریں،

ل UNION OF SOVIET SOCIALIST REPUBLIC

ہوگا کہ روس کی معاشی اور معاشرتی حالت پر اظہار خیالات کر دیا جائے۔

روس کی معاشرت

روس کی معاشی حالت کی بابت دو مضامین نکلے تھے جن میں سے ایک مسٹر وکٹر گیزلٹ ایم پی کے چشم دید حالات پر مشتمل تھا۔ مسٹر گیزلٹ ایک مالدار مگر شائستہ آدمی ہیں وہ اشتراکیت پسند نہیں مگر اس وقت کوئی ایسی نمایاں عداوت نہیں جس کا ان کی رائے پر اثر پڑتا بلکہ جرمنی اور اٹلی کے خوف سے سرمایہ داروں نے بھی مسلک فاسشٹ[1] کے مقابلہ میں عموماً کمیونزم[2] سے کسی قدر دوستی برتی ہے۔ مسٹر گیزلٹ نے بھی علاوہ ایک دو جگہوں کے تعصب سے کام نہیں لیا۔

مسٹر گیزلٹ کے مضمون کی روشنی میں روس کی موجودہ حالت کو تحریر کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد ہم بتائیں گے کہ روس سرمایہ داری کی زنجیروں سے بالکل آزاد ہے اور وہاں کے لوگ بالکل مطمئن ہیں" سوویٹ راج کے انجام کے بارے میں لوگوں کی چاہے جو رائے بھی ہو ہمیں اس سے بحث نہیں مگر اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ اس وقت روس میں ایک عظیم الشان معاشرتی اور معاشی نظام کا تجربہ کیا جا رہا ہے اور جس شخص، جس فرقہ یا جس قوم کو بھی معاشیات معاشرتی ہمدردی یا حکومت کے فن سے کسی قسم کی دلچسپی ہے اسے روس میں مطالعے اور مشاہدے کے لئے بہت کچھ سامان مل جائیگا۔

---

[1] FASCISM

[2] COMMUNISM (کمیونزم)

سڑکوں پر لوگ اپنے روزمرہ کے کاروبار میں مصروف رہتے ہیں۔ سیاحوں کو گھروں کی کارخانوں کی دکانوں کی اور آرام گاہوں کی حالت دیکھنے کی عام اجازت ہے۔ یہ بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ لوگ کیسا کھانا اور کیا پہنتے ہیں۔ مزدوروں سے بات چیت بھی کی جا سکتی ہے۔ البتہ یورپ کے کئی اور ممالک کی طرح نہ تو کسی سرکاری ملازم سے تبادلۂ خیالات کر سکتے ہیں اور نہ قیدیوں کے باڑے "۱؎" اندر جا کر دیکھے جا سکتے ہیں۔

روس کا مغربی یورپ کے کسی ملک سے مقابلہ کرنا بہت ہی دشوار ہے کیونکہ روس اب سے پیشتر بھی ایک نیم مشرقی ملک تھا اور اب بھی ہے وہاں کی زندگی کے معیار کو انگلستان، فرانس یا امریکہ کی معاشرت سے کوئی نسبت نہیں۔ یہ سمجھنے کے لئے کہ اس وقت روس میں کیا ہو رہا ہے ہم کو ترقی یافتہ مغربی ملکوں کی فضا کو ذہن سے بالکل نکال دینا چاہئے۔ روس میں بوڑھے لوگ "خارج" کر دئے گئے ہیں۔ یا تو اپنے خیالات کی وجہ سے یا اس لئے کہ وہ گزشتہ بیس برس کی مصیبتیں برداشت نہ کر سکے"۔

مسٹر وکٹر گیرلٹ ایم پی لکھتے ہیں کہ "پھر آپ کو ایسا ملک تصور کرنا چاہئے جس میں اس چیز کا جسے مذہب کہتے ہیں نام و نشان نہیں کسی روسی مزدور سے مسیح یا خدا کے متعلق گفتگو کرنا اتنا ہی فضول ہے جتنا کہ انگریز مزدور سے گوتم بدھ یا کون فوشیس پر بحث کرنا۔ روس سے

۱؎ CONCENTRATION CAMPS

عیسائی مذہب اور خدا دونوں خارج کردئے گئے ہیں۔ اب الحاد کی تبلیغ کرنا کوئی معنے نہیں رکھتا اس لئے کہ نئی پود کی تربیت ایسی فضا میں ہوئی ہے جہاں خدا کے تصور کا کوئی ذکر ہی نہیں اور روس کی موجودہ آبادی میں ستر فی صدی نئی پود ہے جس کی پرورش سوویٹ حکومت کے اصولوں پر ہوئی ہے۔ ہاں مگر یہ بھی کہہ دینا چاہیئے کہ ایک نصب العین یعنی اپنے سے زیادہ بلند یا زیادہ روحانی طاقت رکھنے والی قوت کی پرستش کرنے کی خواہش جسے ہم سے بہتیرے آدمی کی سرشت میں شامل سمجھتے ہیں آجکل روس میں آہستہ آہستہ اپنا اثر دکھا رہی ہے۔ خدا، مسیح اور پرانے اولیا کی جگہ لینن اور استالن کو دی جا رہی ہے۔ ہر دوکان، ہر سڑک، ہر ہوٹل اور ہر اسٹیشن پر لینن اور لینن سے زیادہ اسٹالن کی قد آدم تصویریں لگی ہوئی ملتی ہیں۔ کچھ دن ہوئے ایک مضمون چھپا تھا جس کا پہلا جملہ یہ تھا:۔

"ہمارا رب استالن وہ سورج جس سے کہ ہم کو قوت اور جان حاصل ہوتی ہے ۔۔۔۔۔۔"

تنقید

یہ ذہنیت عام طور پر ہر مذہب کے پیرؤں میں پھیلی ہوئی ہے کہ اپنے مذہب کو سب مذاہب سے بہتر اور دیگر مذاہب کو ہیچ و پوچ خیال کرتے ہیں۔ مسلمان خدا اور اس کے رسول کو مانتے ہیں۔ ہنود ایشور اور بہت سے خیالی دیوتاؤں کی پوجا کرتے ہیں۔ یونانی اپنے

اسلاف اور شجاعانِ قوم کو قابلِ ستائش ہی نہیں قابلِ پرستش سمجھتے اور ان کی تصویریں بنا کر ان کو پوجتے ہیں لیکن یونان کو کوئی ملحد نہیں کہتا اگر اہلِ روس بقول کیرلٹ کے "اپنے سے زیادہ بلند یا زیادہ روحانی طاقت رکھنے والی قوت کی پرستش انسانی خمیر میں" سمجھ کر لینن یا استالن کو فی الواقع پوجیں بھی تو کسی کو حق حاصل نہیں کہ روس کو ملحد کہے اور یونان کو اہلِ مذہب۔

مجھے اس کا بھی افسوس ہے کہ مسٹر ڈکر کیرلٹ نے یہ مضمون لکھتے وقت دنیا کی تاریخ کی ایک تقویم پارینہ سے زیادہ اہمیت نہیں سمجھی۔ دنیا کی تاریخ اٹھا کر دیکھی جائے تو ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ قدیم انسانی نسلوں میں مذہب کی ابتدا یہیں سے ہوئی کہ ان لوگوں کو اپنے سے زیادہ طاقت رکھنے والی جو قوت نظر آئی اسی کی پرستش شروع کر دی۔

معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر ڈکر یورپ کے دیگر ممالک کو سچا اور پکا اہلِ مذہب سمجھتے ہیں لیکن یہ ساری دنیا پر سورج سے زیادہ روشن ہے کہ یورپ کے "دیگر ممالک" اپنے فائدہ کے مقابلہ میں اپنے قول و قرار، شرم و حیا، انسانیت، شرافت، استقامت، نیکی، اخلاق اور مذہب سب کو خیرباد کہہ دیتے ہیں لیکن انہیں کوئی ملحد نہیں کہتا اور روس جو انسان کے کاندھے سے سرمایہ داری کا جوا اتار پھینکتا ہے اشتراکیت پر کاربند ہو کر فطرت انسانی اور شرافت کے راستہ پر لوگوں کو چلاتا ہے بہ سبب "بغض معاویہ" کے سیکڑوں الحاد و تکفیر کے فتوے

پا لیتا ہے۔

جو ملک غلامی اور سرمایہ داری کو براجان کرا بیٹے یہاں سے ان کا خاتمہ کر دیتا ہے جو غیر ممالک کو اپنے اوپر ظلم نہیں کرنے دیتا۔ جو دوسروں کی تجارت اپنے یہاں آزادی کے ساتھ نہیں ہونے دیتا اس پر الحاد کا الزام لگا دیا جائے تو کوئی تعجب نہیں لیکن معاف فرمائیے مجھے یہ کہنا پڑے گا۔ کہ سے

یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگ زرگری

ناظرین! ایک معتبر خبر منظر ہے کہ گزشتہ دس سال کے عرصہ میں روس میں پینتیس ۳۵ سو جلدیں قرآن پاک کی اور ستائیس ۲۷ سو جلدیں انجیل کی ہدیہ لی گئیں ہیں۔ کیا کسی اہل دانش و بینش کو اس کے بعد بھی یقین ہو سکتا ہے کہ روس کے لوگ بے دین ہیں۔ روس والوں کے پاس مذہب ہے اور صحیح مذہب ہاں یہ بات ضرور ہے کہ وہاں کوئی سرمایہ دار نہیں جو خیالی اور وہم زائیدہ دیوتاؤں کی تعریف کر کے لوگوں کے جذبات کو مشتعل کر دے اور وہاں آئے دن مذہب کے نام پر بین الاقوامی معرکے اور فرقہ دارانہ شورشیں سرمایہ دار ملکوں کی طرح ہوا کریں اگر مسٹر کنز لٹ کو یہ شکایت ہے کہ اہل روس مذہب کو دل ہی میں رکھتے ہیں اور لوگوں کے دکھانے کے لئے وہ ہر وقت "مذہب" "مذہب" کی تسبیح نہیں پھیرتے تو یہ بالکل سچ ہے اور اس معاملہ میں دانشمندوں کو روس کی اور روس والوں کی تعریف بھی کرنا چاہیئے کیونکہ لوگوں کی عینی "شہادت" موجود ہے کہ روس والے ریاکار نہیں۔

روس اشتراکیت پسند ملک ہے۔ ہم آگے چل کر اشتراکیت اور سرمایہ داری پر خوب تفصیل کے ساتھ بحث کریں گے یہاں ضرورت کے موافق اشتراکیت کو مختصر طور سے بیان کیا جاتا ہے۔

اشتراکیت ایک ایسی تحریک یا ذہنیت ہے جس میں جماعت کی زندگی کی ساری عمارت کھڑی کرنی ہوتی ہے اور جو مذہب و اخلاق معیشت و آئین، فنون و صنعت غرض حیات اجتماعی کے سب شعبوں میں پیدا ہو جانے والی خرابیوں کو دور کر کے ان کا صحیح مفہوم سمجھا دیتی ہے۔

اس میں اجتماعیت عقلی اصول کی پابند ہے۔ اس میں یہ نہیں کہ جس کے پاس طاقت ہو وہ کمزور پر حاوی ہو جائے یا جس کے پاس دولت ہو وہ مفلس پر، یا یہ کہ جس کے پاس علم ہو وہ جاہل پر تفوق رکھتا ہے۔ بلکہ اس فرق مراتب سے قطع نظر اس میں یہ اصول کارفرما ہیں کہ دولت اور کام سب کا برابر ہو۔ توانا و ناتواں عالم و جاہل اور امیر و غریب کا فرق مٹا دینا چاہئے جو جتنا کام کرے اتنا ہی معاوضہ اسے ملے۔ سرمایہ قوم کا ہو ملکیت انفرادی ہو کر سرمایہ بہت اذیت رساں ہو جاتا ہے۔ کل سرمایہ جماعت کا ہو جو برابر کام اور اجرت سب کو دے۔ اور کسی شخص کو دوسرے پر فوقیت حاصل نہ ہو سوائے اس کے کہ جو جس لائق ہو ایسا ہی کام اس کے سپرد ہو۔ قریب قریب ہر سمجھ دار اچھی طرح جانتا ہے کہ اشتراک کا مجوزہ

نظامِ جماعتی' موجودہ نظامِ سرمایہ داری کی مخالفت میں بنا اور روس میں اشتراکیت کی حکومت ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ روس میں سرمایہ داری کی کیا حالت ہوگی۔

روس اور سرمایہ داری

مسٹر وکٹر کزلٹ ایم پی روس کے چشم دید حالات و واقعات قلم بند کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ" اسی طرح آپ ایسا ملک تصور کیجئے جہاں کہ ذاتی ملکیت نہیں ہے۔ لوگوں کے پاس اپنی ملکیت بہت کم ہے اور اسے بڑھانے پر آمادہ کرنے کے لئے کوئی محرک نہیں۔ اگر آپ بنیادی ضروریات کے علاوہ کچھ خریدنا چاہیں اور ایسی چیز آپ کو نظر بھی آجائے تو جہاں آپ رہتے ہوں گے وہاں اسے رکھنے کی جگہ نہ ہوگی اور آپ کے پڑوسی آپ پر شک کرنے لگیں گے۔"

آگے چل کر ممدوح لکھتے ہیں کہ" آپ کارخانوں اور مزدوروں کے بارے میں کچھ سن لیجئے۔ مجھ سے کہا گیا تھا کہ روس میں بے روزگاری نہیں ہے اور میں نے اس کی ظاہری علامتیں بھی نہیں دیکھیں۔ تمام کارخانے قریب پورے وقت کام کر رہے تھے بے روزگاری نہ ہونے کے علاوہ اور بھی چند خوبیاں قابلِ ذکر ہیں۔ ہمارے مزدوروں کو پوری مزدوری ملتی رہتی ہے اور ہر ایک کو پوری تنخواہ ہر سال میں چار ہفتہ کی چھٹی دی جاتی ہے۔ آرام کے لئے اچھے "کیمپ" ہیں ایسے

"پارک" بھی بہت ہیں جہاں آرام اور مہذب تفریح کا انصرام ہے۔ بچوں کی پرورش گاہیں اور کھیل کود کے میدان میں کھلی ہوا میں سینما اور موسیقی کا انتظام بھی کیا جاتا ہے۔ میں غلط فہمی پیدا نہیں کرنا چاہتا کہ روس کی بے شمار آبادی کے لیے اس طرح کی چیزوں کا کافی بندوبست ہو گیا ہے۔ لیکن ایسے جو ادارے میں نے دیکھے وہ بہت سلیقے سے چلائے جا رہے تھے، مزدور بڑی تعداد میں ان سے فائدہ اٹھاتے اور ان کی قدر کرتے تھے"۔

روس کی حکومت مسلک اشتراک پر کاربند ہے۔ سب کارخانے ہوٹل اور تفریح گاہیں حکومت کی ہیں سب دوکاندار حکومت کے نمائندے ہیں یعنی سب سرمایہ حکومت کے قبضہ میں ہے۔ ذاتی ملکیت اور انفرادی سرمایہ داری کا نام تک نہیں۔ وہاں کے مردوں اور عورتوں کو برابر مزدوری ملتی ہے ریلوں میں بھی حکومت کا سرمایہ ہے بہر حال کسی خاص شخص یا کسی خاص جماعت کے ہاتھ میں سرمایہ نہیں کسی کے پاس ضرورت سے زیادہ رقم رہتی ہی نہیں کہ وہ سرمایہ دار کہلانے کا مستحق ہو۔ سرمایہ سارا قومی حکومت کا ہے۔ حکومت فوجی اور ہوائی قوت کو بہت زبردست کر کے امن چین اور قوم کی فلاح و درستی، اصلاح و بہبود کے لیے بہت کام کر رہی ہے۔

اس طرح اس کی حالت معلوم کر کے ہم اچھی طرح جان گئے کہ روس بہت منظم اور مامون و محفوظ حکومت ہے اور روس کی معاشرتی

اور معاشی زندگی بڑی حد تک قابلِ اطمینان ہے اور بورژوا اور مزدوروں کی کشمکش کا شائبہ بھی نظر نہیں آتا۔ سارے روس کے باشندے آزاد اور مسرور ہیں۔ اور سرمایہ داری کا بدترین نظام روس میں نہیں۔

میں مسٹر کیزلٹ کی تحریر کے اور نمونے پیش کرتا ہوں جس سے اہل روس کی خوش حالی کا پتہ چلتا ہے۔ مسٹر کزلٹ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ: "روس میں کام کا ہفتہ پانچ دن کا ہوتا ہے اور ہر روز سات گھنٹے کام کیا جاتا ہے پھر ایک دن آرام کا ملتا ہے اس طریقہ کا مغربی یورپ کے قاعدے سے مقابلہ کیا جائے تو روسی مزدور سمجھے روس فیصدی فائدے میں رہتے ہیں۔"

"مکانوں کا کرایہ کم ہے کارخانوں میں دن کا کھانا سستے داموں مل جاتا ہے۔ ایسی عورتیں بہت کم ہیں جو کام نہیں کرتیں جو کام کرتی ہیں انہیں مردوں کے برابر اجرت ملتی ہے اور اس طرح آمدنی دونی ہو جاتی ہے۔" کھانے کا انتظام ہوٹلوں میں ہے جو حکومت کی ملک ہیں۔

مجھے بہت معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ فوج مستعد اور کارپرداز ہے، اسے پیٹ بھر کر کھلایا جاتا ہے اور اس کی ہر ضرورت پوری کی جاتی ہے۔"

دوسری جگہ مسٹر ڈکر کیزلٹ تحریر کرتے ہیں:۔

"اگر اس وقت رائے لی جائے تو اسی تو سے فی صدی موجودہ

حکومت کو قائم رکھنے کی تجویز پیش کریں گے اس کی وجہ کچھ تو یہ ہے کہ زندگی کا اور کوئی طریقہ ان کے علم میں (درست) نہیں ہے، کچھ یہ کہ حکومت کی تحریک بہت اچھی اور ہمہ گیر ہے — یہی وجہ ہے کہ لوگ ایک طرح سے "خوش بھی رہتے ہیں"۔

روس کے علاوہ قریب قریب ہر ملک ہی میں کم و بیش سرمایہ داری کا نظام موجود ہے لیکن چند جمہوری حکومتیں کوشش کر رہی ہیں کہ ایک حد تک سرمایہ داری کو مٹا دیا جائے اور ہوٹل، ریل گاڑیاں وغیرہ حکومت کے قبضہ میں آجائیں۔ ان میں ایک حکومت ترکی کی بھی ہے۔

(ب) ترکی

گذشتہ جنگ عظیم[1] میں ترکوں نے شام، فلسطین اور گیلی پولی کے معرکوں میں اپنی جسارت اور جنگی مہارت کا جو مظاہرہ کیا اس سے یورپ والوں کو معلوم ہو گیا کہ یورپ کا "مرد بیمار" شفائے کلی بہت جلد حاصل کرے گا اور وہ زمانہ قریب ہی ہے کہ یہی مرد بیمار اچھا ہو کر ان سے دست و گریبان ہونے کے لئے تیار ہو گا۔

ترکی کے سابق صدر مصطفیٰ کمال مرحوم نے سارے زمانہ کو یہ دکھا دیا کہ "قسمت بہادروں کا ساتھ دیتی ہے"۔ خدا مرحوم کو ملاء اعلیٰ میں اچھی جگہ عطا فرمائے، کمال مرحوم نے ترکی کو گئے گذرے حال

---
[1] ۱۹۱۴ء

سے یورپ کے طاقتور ممالک کی صف میں شامل کر دیا۔ اللہ اللہ جب ترکی کا خیال آتا ہے تو بے ساختہ زبان سے نکل جاتا ہے کہ ترکی کی حالت سدھارنے کے لئے کمال مرحوم کا کام کام نہیں بلکہ اعجاز مسیحائی تھا

گو ترکی میں روس کی سی حالت نہیں لیکن وہاں بھی سرمایہ داری کا نظام اس قدر زبردست اور غریبوں کے لئے "تیغ براں" نہیں جتنا امریکہ، جاپان، فرانس اور برطانیہ وغیرہ جیسے ممالک میں ہے۔

ترکی میں یونانیوں، اطالویوں اور ایرانیوں کی ایک کثیر تعداد کو عرصے سے روک دیا گیا ہے کہ وہ حجامت، ہوٹلوں میں ملازمت اختیار کرنے، شوفری، ترجمانی، صرافہ اور کپڑے اور جوتہ کی صنعت وغیرہ میں حصہ نہ لیں۔ چند کام حکومت ترکیہ ہی کے لئے مخصوص کر دئے گئے ہیں جن سے زیادہ انگریزوں اور امریکن تاجروں کی تجارت پر بہت کافی اثر پڑا۔

کئی سال گزرے کہ ایک "تین سالہ صنعتی اسکیم" پر عمل کرنے کے لئے ترکی نے روس سے آٹھ لاکھ اور اطالیہ سے ایک کروڑ تین لاکھ اسٹرلنگ (STERLING) قرض لیا تھا۔ اس رقم کا ایک ثلث حصہ کلوں کی فراہمی میں صرف کیا گیا، ایک ثلث سے ان آب دوز کشتیوں کی قیمت ادا کی گئی جن کو اطالیہ میں تیار کرا دیا گیا تھا اور شکر سازی کے لئے ایک نیا کارخانہ قائم کرایا گیا۔ اور ایک ثلث رقم کارخانوں کے انتظام کے لئے محفوظ کر دی گئی۔ اس کے

بعد صنعت پارچہ بافی کو کافی وسعت دی گئی اور کانوں کے مزدوروں
کے لیے بھی سہولتیں پیدا کی گئیں۔ ترکوں کا خیال ہے کہ وہ اپنے ملک
ہی کے لوہے سے آہنی صنعتوں کو ترقی دے سکتے ہیں۔ ارغانہ میدان
سے جو تانبا برآمد ہوتا ہے اسی کی مدد سے "گولوں" کے لیے کبھی
دوسرے ملک کے محتاج نہیں رہیں گے ترکی سے سیکڑوں طالب علم
ہر سال صنعت و حرفت کی تعلیم حاصل کرنے روس جاتے ہیں۔ گزشتہ
اٹھارہ سال میں بھی صنعت و حرفت پر حکومت کی نگرانی برابر بڑھتی
رہی ہے۔ اس وقت تک حکومت، تمباکو، نمک، مسکرات کے سرکاری
اجاروں اور بہت سی ریلوں پر قبضہ کر چکی ہے اور اس نے متعدد
کارخانے قائم کر رکھے ہیں جن میں بری اور بحری فوج کے لیے کپڑا
تیار ہوتا ہے۔

سنہ ۱۹۳۴ء سے ترکی میں ایک پنج سالہ منصوبہ پر عمل ہو رہا ہے
جس کا نتیجہ یہ ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ میں ملک کوئلہ، شکر اور سیمنٹ
اپنے ہی کارخانوں اور کانوں سے حاصل کر کے اپنی ضروریات کو پو
را کر رہا ہے۔ سنہ ۱۹۳۳ء میں ترکی کا ایک وفد معاشی، روس گیا جہ
روس کے صنعتی کارخانوں کی دیکھ بھال کی اور اپنے کپڑے کے
کے لیے وہاں سے مشینیں خریدیں۔ اس وفد کے ہمراہ کئی روسی
ماہرین صنعت بھی ترکی آئے اور کام کی نگرانی کی اور ان مشو
پہلا کارخانہ سنہ ۱۹۳۲ء میں اناطولیہ کے وسط میں قیصریہ

قائم ہوا۔ اس کارخانہ میں کوئی پندرہ سو آدمی کام کرتے ہیں اور سینتیس ہزار تکلے اور ایک ہزار اسی کرگھے چلتے ہیں۔ ایک اور باریک کپڑا بننے کا کارخانہ سمرنا سے جنوب مشرق کو نازلی میں ہے۔ ان کارخانوں میں روز بروز دیسی کپاس ہی زیادہ کام میں آتی ہے اور اس کپاس کی خوبی میں اَدَانا کے کپاس کے تحقیقاتی ادارے کی کوششوں سے بہت ترقی ہو رہی ہے۔

اگرچہ ترکی صحیح معنوں میں روس کی تقلید نہیں کر رہا ہے تاہم حکومت آہستہ آہستہ سرمایہ پر اپنا قبضہ جمانا اور ترکوں کو "دیگر اقوام کے تجارت کرنا" سکھانا چاہتی ہے۔ بحری تجارت پر ملک کا اثر بڑھ رہا ہے اور بنکوں میں بھی زیادہ تر حکومت ہی کا سرمایہ ہے۔ اس طرح ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے ملکوں کی طرح نظام سرمایہ داری ترکوں کا خون نہیں چوستا گو وہاں سے یہ نظام معدوم نہیں ہوا ہے۔

باب دوم

یورپ کے چند وسطی ممالک اور سرمایہ داری

یورپ کے چند وسطی ممالک اور سرمایہ داری کے سلسلے میں ہم جرمنی، فرانس اور اٹلی کا ذکر کریں گے۔ سب سے پہلے اٹلی کے حالات پر بحث کی جائے گی کیونکہ یہیں سے فسطائیت[1] کی تحریک اٹھی جو ان دونوں ممالک میں بھی تھوڑی بہت ہی نہیں بلکہ بہت زیادہ پھیلی رہی ہے اور مزدوروں کا خون چوس رہی ہے۔

مقاصد فسطائیت یا مسلکِ فاشستی[2]

فسطائیت کے خاص مقاصد یہ ہیں کہ انسان مختلف خیالات اور خصوصیات رکھتا ہے اس لئے سب آدمی ایک معیار پر نہیں آ سکتے بعض اعلیٰ دماغ رکھتے ہیں اور دماغی قابلیت کی وجہ سے دوسروں پر فوقیت رکھتے ہیں۔ بعض لوگ شاہانہ دماغ لے کر پیدا ہوتے ہیں اور امیروں میں پرورش پاتے ہیں اس لئے انہیں امیر ہی رہنا چاہیے۔ مزدوروں کو کوئی حق نہیں کہ ان کی برابری کا دم بھریں۔ غریب لوگ اور

---

[1] FASCISM

[2] FASIST

مزدور طبقہ نوابوں، امیروں اور سرمایہ داروں کی خدمت ہی کے لئے پیدا ہوا ہے اس لئے ان کو امرا کے مقابلہ کا سمجھنا یا سب سرمایہ دارں اور مزدوروں کی زندگی کا ایک معیار مقرر کرنا حماقت ہے۔ سرمایہ داری کو مٹنے نہیں دینا چاہئے کیونکہ نظام سرمایہ داری معاشرت کا خون لاینفک ہے۔ سرمایہ دار لوگوں کو خرچ کرنے کے لئے روپیہ قرض دیتے ہیں۔ وہ حکومت کو بھی روپیہ دیتے ہیں حکومت ان کو عوام کا نمائندہ بنا کر حکومت کے کاموں میں حصہ لینے کا موقعہ عطا کرتی ہے اور ان سے بہت سے کام لیتی ہے۔ سرمایہ داری کے مٹ جانے سے اتنے کام یک لخت بگڑ جائیں گے۔ اس وقت مجھے مسولینی کا ایک مقولہ یاد آگیا۔ اطالوی قاموس العلوم[1] میں مسولینی[2] کا یہ قول درج ہے "ایک خاص طبقہ کا کام' کام کرنا ہے اور دوسرے کا اس سے فائدہ اٹھانا دونوں طبقوں کا کام علیحدہ ہے۔ ایک طبقہ کا دماغ شاہانہ ہے۔ اس کا میلان طبع اس طرف ہے تو اس کو اسی طرف جانا چاہئے اور دوسروں پر حکمرانی کرنا چاہئے اور دوسروں پر اس کی تابعداری لازم ہے" مسلک آزادی "منطق اور تاریخ میں نرالی چیز ہے۔ نمائندگی کا طریقہ سراسر غلط ہے اکثریت کبھی سماج کی ٹھیک طریقہ سے رہنمائی نہیں کرسکتی" مسلک فاشستی کے بانی مسولینی نے اس جگہ دسطائیت (فاشزم)

---

[1] ITALIAN ENCYCLOPAEDIA [2] اطالیہ کے سیاہ و سفید کا مالک سابق مسولینی وزیر اعظم جو اٹلی کا ڈکٹیٹر مشہور تھا۔

ہی کے اصول بتائے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ نسطائیت اشتراکیت کی تحریک کی صریح مخالف تھی۔ نسطائیت یا فاشزم کے متعلقین سرمایہ داروں کو اور مزدوروں کو یعنے دونوں طبقوں کو دھوکہ دیتے رہے کیونکہ یہ لوگ خود سرمایہ دار تھے اور سرمایہ دار کا خاص کام حیلہ گری اور دھوکہ بازی ہے۔ مزدوروں سے کہا جاتا تھا کہ حکومت تمہارے مطالبات پورے کراتی رہے گی تم بے فکر رہنا سرمایہ داروں سے روپیہ لیا جاتا اور ہضم کر لیا جاتا جب وہ تقاضا کرتے تو کہا جاتا کہ حکومت سب ہی کی ہوتی ہے تمہارا سرمایہ حکومت کے کاموں میں صرف ہو گیا ادائیگی کیسی؟۔ دوسرے یہ کہ چونکہ یہ لوگ خود سرمایہ دار تھے اس لئے سرمایہ داروں سے "مقابلہ" ہونے کے سبب سے ان کو نیچا دکھانے کی کوشش کی جاتی تھی اس طرح نسطائیت سرمایہ داروں اور مزدوروں دونوں کے لئے خطرناک ثابت ہوئی مگر چونکہ حکومت اطالیہ ہی فاشسٹوں کی تھی اس لئے فاشزم کے خلاف کوئی آواز نہیں اٹھا سکتا تھا۔

مسولینی کے خیال میں شرافت یہی تھی کہ ایک امیر شخص لاکھوں غریبوں پر ظلم کرے اور یہ لوگ اس کے مظالم بلا چون و چرا سہہ لیں۔ مسولینی کسی کارخانے میں کوئلہ جھونکنے کے کام پر ملازم ہوتا اور دن بھر دھوپ میں کوئلہ کے ڈھیر سے ٹوکریاں بھر بھر کر

لاتا اور بھٹی میں جھونکتا رہتا۔ شام کو اجرت مانگنے پر کارخانہ کا منتظم اس کی امید اور ضرورت سے بس حصہ کم سا وضہ اس کو اٹھا کر دیتا۔ اور مالک قریب ہی کھڑا ہوا یہ کہتا ہوتا کہ "تو نے آج کچھ کام نہیں کیا۔ بیٹھا ہی رہا کبھی کبھی اونگھتا ہوا جاتا تھا اور گھنٹوں میں آدھی ٹوکری کوئلوں کی لاتا تھا اگر کل بھی تیری یہی حالت رہی تو آدھی مزدوری ملے گی" اور اس وقت بھی اگر مسولینی کا یہی قول ہوتا تو میں سمجھتا کہ واقعی اس میں شرافت، مستقل مزاجی اور اخلاقی جرأت بہت زیادہ تھی۔ لیکن اس کے ہاتھ میں سرمایہ، عیش و عشرت اور حکومت تھی اور سرمایہ دار اس کے عزیز اور دوست اس حالت میں مسولینی کا یہ قول اس کی قلعی کھول دیتا ہے۔

بہرحال مسولینی کے اس مقولہ سے صاف ظاہر ہے کہ اٹلی میں مزدوروں کی بہت خراب حالت رہی ہوگی اور غریب اور ادنیٰ طبقہ کے لوگ بہت بے چینی اور پریشانی کی زندگی بسر کرتے رہے ہونگے۔

سنہ ۱۹۱۹ء کے بعد مسولینی کی فاشسٹ پارٹی نے حکومت پر قبضہ جما لیا۔ حالانکہ نہ تو مسولینی اطالیہ کا خود مختار بادشاہ تھا نہ آزاد صدر اور نہ ڈکٹیٹر بلکہ وہ اطالیہ کا وزیر اعظم تھا مگر اٹلی کا بادشاہ "وکٹر ایمینوئل" نام ہی نام کا بادشاہ رہا اور مسولینی اور اسکی جماعت کے قبضہ میں ہی ساری حکومت تھی وہ نازیزم کے اصول پر اس کو چلاتے تھے۔

اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ فاشسٹ حکومت نے کام کی تنظیم اور کام کے مواقع پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ تعمیرات کا ٹھیک بند و بست کر دیا اور افتادہ زمینوں کو زیر کاشت لانے کی کوششیں بہت زیادہ ہوتی رہی ہیں۔ پانٹین کے دلدلوں کو ملیریا سے پاک کرنے کا کام بہت کامیابی سے ہوا اور کئی لاکھ آدمی اس علاقہ میں بسائے جا چکے ہیں حکومت نے سٹہ بازی کو بھی روکنے کی کوششیں کی ہے قومی بنک کی شرح سود بھی گھٹا دی گئی۔ ان سب باتوں سے ایک فائدہ یہ ہوا کہ بیکاری ایک حد تک ختم ہو گئی مگر حکومت کی نیک نامی ہوئی اور حکومت کو اس سے فائدے بھی ہوئے مگر غریب مزدوروں کو نہیں! ان کا حال بد سے بدتر ہوتا گیا اور حکومت اور سرمایہ دار سب ان کو ستاتے رہے۔

یورپ کے دیگر ممالک میں بھی مسلک فاشستی (فاشزم) یعنی اطالیہ کی حکومت سے نکلی ہوئی تحریک کارفرما رہی ہے لیکن اٹلی اس تحریک کا ماوا و ملجا رہا ہے۔ مزدوروں کی محنت، جذبات، اجرت، مشل اور ان کا سکھ چین سب کچھ برباد ہو چکا اور سرمایہ دار کچھ حکومت کے اشاروں پر اور کچھ قطعاً مزدوروں کو خود بھی جی کھول کر ستاتے رہے اور ستاتے رہتے اگر جنگ پانسہ نہ پلٹتی۔

اس سے وضاحت کے ساتھ معلوم ہو جاتا ہے کہ اطالیہ میں سرمایہ داری کی زنجیریں بہت سخت تھیں، وہ اصول شرافت سے

کو ہوں دور رہا ہے اور وہاں "تقلید اہرمن" کے بیج بوئے جا رہے ہیں۔

جرمنی اور سرمایہ داری

نازی جرمنی میں نظام سرمایہ داری مارِ آستین بن کر وہاں کے مزدوروں کا خون چوستا رہا ہے۔ اگر ہم نازیت (نازی ازم) کا مختصر پس منظر اور جرمنی کی معاشی، معاشرتی اور سیاسی حالت کا مجمل خاکہ ناظرین کے سامنے پیش کریں تو ہمارے قول کی تصدیق ہو جائے گی۔

سنہ ۱۸۷۱ء سے سنہ ۱۹۱۰ء تک جرمنی نے اپنی طاقت بہت زیادہ کر لی تھی مگر قسمت کے زبردست مفتی نے غصہ میں آکر اسکی تدبیر کے ساز کے پردوں اور تاروں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ جنگِ عظیم میں (۱۹۱۴-۱۸) اس کو اتحادیوں کے ہاتھ بہت زبردست ہزیمت اٹھانی پڑی۔

جرمن قوم کو جنگ عظیم میں شکست ہو چکی تھی اس کی طاقت کو بہت زیادہ صدمہ پہنچا تھا اور سچ تو یہ ہے کہ وہ بیکار سی ہو چکی تھی۔ سنہ ۱۹۱۵ء کے "خفیہ معاہدہ" کی رو سے ٹیرول کے علاقہ کو اطالیہ کا حق سمجھ لیا گیا۔ آسٹریا کے علاقہ بوہیمیا کے جرمنوں سے بھی یہی سلوک ہوا۔ انہیں چیکوسلواکیہ کے ماتحت کر دیا گیا۔ پوسن اور سلیشیا کے جرمنوں کا یہ حشر ہوا کہ یہ بدنصیب اپنی مرضی کے خلاف دست

وابستہ پولینڈ کے حوالے کر دئے گئے جب رائے نامہ کا استصواب
کیا گیا تو نتیجہ جرمنی کے حق میں نکلا لیکن اس کے باوجود انہیں
پولینڈ کی غلامی پر مجبور کیا گیا۔ فاتح ممالک کے نمائندوں نے جرمنی
کو جنگ کا ذمہ دار ٹھہرا کر اس کے تمام افریقی اور ایشیائی مقبوضات
زبردستی چھین لیے۔ اس کے بحری اور ہوائی بیڑہ کو ضبط کر لیا اور
اہم ترین اسلحہ رکھنے کا حق جرمنی سے چھین لیا۔ اس "سمندنامہ" پہ
"ہتک اور تاوانہ" یہ ہوا کہ قلاش جرمن قوم سے اتنی بڑی رقم بطور
تاوان مانگی گئی کہ وہ چالیس سال تک اس کا عشر عشیر بھی ادا
کرنے کے قابل نہ ہوتی۔ یہ رقم وصول کرنے کے بہانے سے فرانس
جرمنی کے سب سے زیادہ زرخیز علاقہ سار پر پندرہ برس کے لئے
قابض ہو گیا اور اس کی کانوں کو بطور رہن اپنے تصرف میں لے
لیا۔ یہ کام نہیں کیا اگر ساٹھ نسلیں بھی جرمن قوم کی گروی رکھ لی جاتیں تب
بھی یہ تاوان ادا نہیں ہو سکتا تھا۔

فاتح کبھی جرمنی پر غرّاتے اور کبھی اس کو تھپک دیتے۔ اس وقت
جرمنی کس مپرسی کے عالم میں تھا۔ سرمایہ داروں نے جب ملک کی
حالت خراب دیکھی تو انھوں نے خیال کیا کہ اب حکومت ہم پر دست
درازی کرے گی۔ اس لئے سرمایہ داروں نے بھی یہ ظاہر کرنے کے
لئے کہ جنگ میں ہمیں بھی بہت نقصان ہوا ہے اور اب ہم بھی تنگ دست
ہو رہے ہیں یہ تحریک پھیلائی کہ سرمایہ دار جنگ سے پہلے بے حد

گئے اور اب اجرت کا نرخ وہی نہیں رہ سکتا جو پہلے تھا اور سخل سے کام لیا جاتا رہے گا۔ نتیجہ اس کا ظاہر ہے کہ غریب مزدوروں اور اوسط طبقے کے لوگوں کی موت آ گئی وہ کام کرتے تھے لیکن ان سے "روپیہ نہیں ہے" کا بہانہ کر کے عذر کیا جاتا تھا اور بہت تھوڑا معاوضہ دیا جاتا تھا۔ حکومت کے پاس روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے بیواؤں اور یتیموں کے وظیفے اور تنخواہیں سب بند اور ملازمین کی تنخواہیں کم کر دی گئیں۔

جب لوگوں کی حالت حد سے زیادہ خراب ہو جاتی ہے تو ان کے جسموں میں انقلابی روح سرایت کر جاتی ہے جس کی آگ نشاۃ ثانیہ کے بعد ہی ٹھنڈی ہوتی ہے یہی حالت جرمنی کے باشندوں کی ہو گئی مگر ہٹلر نے جو جرمن حکومت کے سیاہ و سپید کا مالک رہا ہے اس موقعہ سے فائدہ اٹھایا اور اس نے غریب اور بھوکے مرنے والے مزدوروں کو یہ سمجھا کر کہ "میں ملک کی اور ملک والوں کی حالت درست کر دوں گا، کسی کو تمہارے اوپر ظلم و زیادتی نہیں کرنے دوں گا اور تمہارے حقوق تمہیں بلا کم و کاست ملیں گے" اپنے ساتھ ملا لیا۔ جب سرمایہ داروں نے دیکھا کہ ان کے خلاف ایک تحریکی جمعیت بن رہی ہے تو سرمایہ داروں نے صدائے مخالفت بلند کی مگر ہٹلر بھی گولی کھائے ہوئے نہ تھا اسے سرمایہ داروں کو بھی ساتھ ملانا تھا اس لئے سرمایہ داروں کو بھی ایسی لوری دی کہ

وہ خواب آوری سے نہ بچ سکے۔ اس نے سرمایہ داروں سے یہ کہا کہ "تم دیوانے ہو گئے ہو میں تمہارے خلاف کیسے جا سکتا ہوں ... ... " میں تو ساری قوم کو متحد کر کے ملک و ملت کی حالت درست کرنا چاہتا ہوں تم بھی میری مدد کرو کیونکہ ملک سب کا ہے سب ہی کو اس کی حالت سدھارنی ہے۔" چنانچہ اس طرح فسطائیت کے اصولوں پر اس نے بورژوا (سرمایہ دار طبقہ) اور اوسط درجہ کے لوگوں (پرولیتاریٹ)[لہ ۱] کو جمع کر کے اپنے اقتدار کے لئے تحریک (پروپیگنڈا) کی۔ ایک طرف وہ سرمایہ داروں کو سمجھا دیتا کہ میں تمہارے خلاف نہیں جا سکتا اور دوسری طرف وہ مزدوروں سے بھی کہتا تھا کہ ہم لوگ سرمایہ داروں سے موقع پا کر بدلہ لیں گے ابھی اس کام کے لئے وقت نہیں آیا ہے اور فی الحال ہمیں ملک کی ترقی پر غور کرنا چاہئے مگر ہم تم پر سرمایہ داروں کو ظلم نہیں کرنے دینگے اس نے شروع میں اپنی جماعت کا نام قومی مشترک آزاد خیال جماعت[لہ ۲] رکھا۔ اسی کا نام بعد میں "نازی پارٹی" ہو گیا اور اس کی تحریک "نازی تحریک یا نازیت (نازی ازم[لہ ۳]) کہلائی جانے لگی۔

جرمن سیاست کی بے بسی اور معاشی حالات کی خرابی نے جرمنی میں تمام پرانی جماعتوں کی طرف سے مایوسی اور تمام پرانی تدبیریں

لہ ۱ PROLETARIATE

لہ ۲ NATIONAL SOCIALISTIC DEMOCRATIC PARTY.

لہ ۳ NAZISM

کی طرف سے بے اعتمادی پیدا کر دی تھی۔ اس مایوسی میں ہٹلر نے
سب کو امید کی جھلک دکھائی سب سے وعدے کئے ہر دکھ کی
دوا دیے سکنے کا دعویٰ کیا، مختلف الخیال لوگ جن میں صرف
صورتِ حالات سے مایوسی مشترک تھی اس کے ساتھ ہو لئے۔
صدر ہنڈن برگ کے فوت ہو جانے کے بعد کمیونسٹوں اور تغیر
پسندوں کا خاتمہ کر کے ہٹلر نے دستورِ اساسی کے بالکل خلاف
صدارت اور وزارتِ عظمیٰ کے عہدوں کو ملا دیا اور دونوں کا کام اپنے
ہاتھ میں لے لیا۔ سنہ ۱۹۳۳ء میں اس کی جماعت برسرِ اقتدار آئی اس
کے ساتھیوں میں گوئرنگ، ہرفان پاپن اور گوئبلز کی بہت ممتاز ہستیاں
ہیں۔ اس تحریک میں سرمایہ دار اور مزدور دونوں ہی شامل تھے
مگر نازیت زور پکڑ گئی، آسٹریا، چیکوسلواکیہ، میمل، ڈینزگ اور
کاربڈور کے قبضہ میں آ جانے سے ہٹلر کا حوصلہ بہت بڑھ گیا اور
اس کا اور اس کی تحریک کا روز بروز عروج ہوتا رہا۔ لیکن یہ سارا
زمانہ پر روشن ہے کہ سازِ نازیت کے پردوں میں غیر از لوٹ، فسطائیت
اور سرمایہ داری کچھ نہیں۔ مسولینی کا مسلک، فاشزم اور ہٹلر کی
تحریک نازی ازم دور دور نہیں بلکہ ایک سیاسی طبقہ کو تو یقین ہے
کہ ایک ہی چیز اور ایک ہی تحریک کے دو نام فاشزم اور نازی ازم رکھے
تھے۔ بہرحال دونوں کے مقاصد میں کوئی ظاہری فرق نظر نہیں آیا ہے
اور دونوں سرمایہ داری کے موافق اور عمومیت و اشتراک کے بالکل

SOCIALISM ےل COMMUNISM ےل

خلاف تھیں۔ پھر کبھی دھوکہ دے کر اور سبز باغ دکھا کر نازی تحریک میں مزدوروں کو شامل کر لیا گیا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ در اصل جرمنی میں بھی اطالیہ ہی کی طرح نظام سرمایہ داری مزدوروں اور ادنیٰ طبقہ کے لوگوں (پرولیتاریٹ) کو مار آستین بن کر ڈستا رہا ہے۔ اور سرمایہ داروں کے کچھ خاندان جن کے ہاتھ میں جرمنی کی تجارت اور صنعت و حرفت تھی فاقہ کش مزدوروں اور غریبوں کو مل کر مارتے رہے ہیں اور ہنڈن برگ کی زمین دار حکومت اور اس حکومت میں کوئی فرق نہیں تھا۔ مگر اس جنگ نے مطلق العنان ہٹلر اور نازی جرمنی دونوں کو ختم کر دیا۔

فرانس اور سرمایہ داری

جنگ عظیم کے بعد سے فرانس میں دو درجن سے بھی زیادہ وزارتیں بدل چکی ہیں وجہ یہ ہے کہ فرانس کا نظام سیاست دو یا تین سیاسی فرقوں پر مبنی نہیں بلکہ بہت سے سیاسی گروہ ہیں جن کی نمایندگی پارلیمان[له] میں ہوتی رہتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ حکومتیں ہمیشہ ناپائدار ہوتی ہیں اور کمزور۔ اور یہ کمزوری خصوصاً[ط] معاشیات کے انتظام میں ظاہر ہوتی رہی ہے، اسی معاملہ پہ آ کر بار بار وزارتیں ٹوٹتی رہی ہیں۔

FINANCES ط   FARLIAMENT له

جنگ کے بعد سے صرف ایک پواں کارے کی وزارت نے
مالی انتظام درست کیا۔ اس زمانہ میں فرانسیسی سکہ کی شرح مبادلہ
بھی سنبھلی اور قائم بھی رہی مگر یہ صرف پواں کارے کا شخصی کرشمہ تھا
اس کے بعد سے پھر وہی بے ترتیبی رہی اور بار بار حکومتیں بدلتی رہیں۔

فرانس کے صدر دلیدیر[1] کا رویّہ خالص فاشسٹ ہے وہ مسولینی
کا ہمدرد، ہٹلر اور چیمبرلین کا ہم پیالہ و ہم نوالہ رہا ہے گو جنگ
پولینڈ و جرمنی[2] کے معاملہ میں وہ ہٹلر سے رفتہ رفتہ دوستی توڑ کر اتحادیوں
کا ساتھ دیتا رہا مگر اس سے یہ مطلب کو ہرگز نہیں لیا جا سکتا کہ اس
کے اصول بدل گئے ہوں۔ ہٹلر، مسولینی اور چیمبرلین تینوں سرمایہ دار
تھے اور دلیدیر بھی سرمایہ دار اور انفرادی سرمایہ کا معاون و
مددگار رہا ہے۔

نومبر ۱۹۳۸ء میں فرانس کے پچاس لاکھ مزدوروں اور کارخانہ
کے کام کرنے والوں نے بلوہ کر دیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک
ایسا قانون دلیدیر کی حکومت نے بنا دیا تھا جس میں سرمایہ داروں
کے کثیر فوائد تھے اور مزدوروں کی اجرت کا نرخ گھٹا دیا تھا اور
کام کے گھنٹے بڑھا دئے تھے علاوہ اس کے مزدوروں اور
پیشہ ور لوگوں کے اور بھی بہت سے نقصانات تھے۔ بہر حال بلوہ
بہت زبردست تھا مگر اس کا وہی نتیجہ ہوا جو ایک سرمایہ دار یا

POLISH-GERMAN WAR, I SEPT. 1939 [2]   DALADIER [1]

سرمایہ داری کے حامی ملک میں ہونا چاہیئے تھا۔ دلیدیر نے مجمع سے
بالمشافہ کہا کہ "تمہارے بلوے ختم کردو ورنہ چیمبرلین صاحب کو بلوا لونگا
اور مسٹر چیمبرلین کے مشورہ پر تمہیں گولی کے ذریعہ منتشر کیا جائے گا۔"
لیکن شورش کا وہی حال رہا اس لئے اپنے قول کے مطابق دلیدیر نے
چیمبرلین اور ہٹلر کے مشورہ سے اوسط درجہ کے لوگوں پر گیس استعمال
کرکے پولیس اور فوج کے ذریعہ ان کو منتشر کرا دیا۔ بعد میں ان پر
مقدمے چلائے گئے اور جیل خانے بھر دیئے گئے۔ دلیدیر حکومت
سرمایہ داروں کی دوست اور بے کس مزدوروں کی سخت مخالف
رہی۔

اور سنئے۔ تاردو ایک سابق وزیر اعظم کی بابت جنگ سے پہلے
یہ کہا جاتا تھا کہ سرکاری ملازم ہوکر اس نے فرانسیسی کانگو کی ایک کمپنی
سے حصہ دینے کے عوض بہت سا روپیہ لیا تھا۔ جب کہ ترکی میں
خالص فرانسیسی سرمایہ سے ریل بننے کا امکان تھا تو اس نے روپیہ
لے کر ایک مخلوط انگریزی فرانسیسی کمپنی کے قیام کی حمایت کی۔

روس کے جنگ سے پہلے کے کاغذات جو شائع ہوئے ہیں
وہ مظہر ہیں کہ اسے برابر روس سے روپیہ ملتا رہا تاکہ یہ مشہور
فرانسیسی اخبار "تان" میں روس کی حمایت کرتا رہے۔

حال ہی میں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اسلحہ سازی کی سب سے بڑی

کمپنی (اسٹنا ئڈرڈ) سے بھی آپ ساز باز رکھتے تھے اور تار و د ہی پر کیا منحصر ہے لیبر وِن (سابق صدر جمہوریہ) خود پہلے بڑے سرمایہ داروں کی جمعیت الف کے "تنخواہ دار ملازم" تھے۔ فلانڈین ہوائی ڈاک کے ٹھیکوں کے سلسلہ میں کافی بدنام ہے لاوال کا نام ایک بنک کے دیوالیہ کے معاملہ میں بہت مشتبہ طور پر لیا جاتا ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جن کو اہم قلمدانِ وزارت رکھنے کا فخر حاصل ہے۔ انہی نے پچھلی دور حکومتوں کو مالی آلودگیوں کا الزام لگا کر ختم کرایا ہے بات تو در اصل یہ ہے کہ ؎

این خانہ تمام آفتاب است

فرانس کے مزدور اور ادنیٰ طبقہ کے لوگ بہت بے کل اور غیر مطمئن زندگی گزارتے ہیں اور فرانس میں سرمایہ داری کا "بول بالا" ہے۔ اور وہاں سرمایہ داری کا نظام زیادہ زبردست ہونے کی وجہ سے حکومت بھی اکثر سرمایہ داروں ہی کے ہاتھ میں آتی رہی ہے۔ جو روپیہ حاصل کرنے کے لیے اپنی ہی سلطنت میں دوسری حکومتوں کا پروپیگنڈا روا رکھتے ہیں اور یہ کوئی نئی یا قابلِ تعجب بات نہیں کیونکہ سرمایہ دار کا ایمان، مذہب، سیاست اور اس کی شرافت یہی ہے کہ کسی نہ کسی طریقے سے سرمایہ حاصل ہو وہ "جائز" یا "ناجائز" کی بالکل پروا نہیں کرتا۔

الف COMITE DE FORGES

باب سوم

مغربی یورپ کی طاقتیں

انگلستان اور سرمایہ داری

گذشتہ جنگ عظیم کے بعد یورپ کے ہر ملک میں سرمایہ دار طبقے کمزور پڑ گئے تھے روس میں اشتراکی حکومت قائم ہوئی اور دوسرے ملکوں میں بھی سرمایہ داری کے مخالفین نے بہت زور پکڑا۔ انگلستان میں بھی ۱۹۲۴ء میں مزدوروں کی جماعت (لیبر پارٹی) برسر اقتدار آئی مگر سرمایہ داری کی موج پھر ابھری اور احساساتِ اشتراکیت کو غرق کر گئی اطالیہ میں مسولینی کی فاشسٹ پارٹی نے حکومت پر قبضہ کر لیا۔ جرمنی میں ہٹلر اٹھ کھڑا ہوا اور انگلستان میں بھی ایک فاشسٹ فرقہ پیدا ہو گیا جو آزولڈ موزلے کی شخصیت اور لیڈی ہاوسٹن اور لارڈ رودرمیر کی دولت کے بل پر ترقی کرتا رہا۔

اب یہ دیکھنا چاہئے کہ انگلستان میں حکومت پر قابض ہونے اور اپنی وزارت مرتب کرنے کا موقع حاصل کرنے کے واسطے

مزدوروں نے کیا کیا کوششیں کیں اور کئی بار ان کی کوششیں پسپا ہونے کے بعد کس طرح ان کا انحطاط ہوا اور پھر سے سرمایہ داری کا تکلیف دہ نظام ایک مرتبہ اور کیسے سارے ملک میں پھیل کر بے روزگاری، کساد بازاری اور بے چینی کا سبب ہوا۔

مزدوروں کی جدوجہد

اٹھارویں صدی عیسوی میں انگلستان میں مزدوروں کی تحریک شروع ہوئی لیکن وہ قانونی اصلاحات سے ختم کر دی گئی مگر یہ مزدوروں کی ناکامی نہیں تھی، بلکہ ان کی آئندہ کامیابیوں کا پیش خیمہ تھا۔ مزدور سرمایہ داروں کو جو مشینوں اور کمپنیوں کے مالک تھے بالکل ختم کر دینا چاہتے تھے مگر انہوں نے بالکل غلط طریقہ استعمال کیا تھا انہوں نے مشینوں کو توڑنا چاہا اور اصلاح کی تجویزوں کو حکومت کے سامنے رکھ دیا کہ اس کے خلاف عمل درآمد نہیں ہو سکتا یہ ذرائع عمل ناکامیاب ثابت ہوئے ضرورت اس بات کی تھی کہ پہلے مزدوروں کے طبقے میں اتحاد و یگانگت کی روح پھونکی جاتی، ان کے درمیان سے صنعتی اور غیر صنعتی کا تفرقہ اٹھا دیا جاتا۔ انہیں مختلف طبقوں کی مدد سے مستغنی بنا دیا گیا ہوتا اور ان میں اپنے فائدے خود پیدا کرنے کی اہلیت پیدا کی جاتی۔

تجربہ سے ثابت ہو گیا کہ غارت گرانہ حملے بے سود اور سرمایہ داروں

کی تباہ کرنے کی کوشش بیکار تھی لیکن اس غارت گری سے بے شمار نقصان اٹھانے کے باوجود مزدوروں کو فائدہ بھی ہوا۔ ترقی کی شاہراہ کھل گئی ان کے دلوں میں جذبۂ اتحاد پیدا ہو گیا۔ مزدور سبھائیں نئی طاقت و فراوانی کے ساتھ قائم ہونے لگیں اور مقاصد کے حدود مقرر کئے گئے۔ ان کا مقصدِ اعلیٰ یہ تھا کہ اپنے جائز حقوق، اپنی آزادی اور اپنا آرام مالکان کارخانہ سے بلا جنگ و جدال حاصل کیا جائے۔

حصول کے ذرائع یہ تھے:۔

(۱) یکا نگت مکمل طور سے قائم کی جائے۔

(۲) خاص اصولِ معاشی ہوں جن کے باہر ایک قدم نہ جائے۔

(۳) حکومت کی ہمدردی حاصل ہو۔

(۴) عام لوگوں کو ہم خیال بنایا جائے۔

اس حکمت عملی کے مطابق "صنعتی مجالس" بنیں جن کا مقصد مالکانِ مشین اور ساہوکاروں سے براہ راست جائز مطالبات حاصل کرنا تھا۔ انیسویں صدی میں ترقی کا جو آغاز ہوا اس نے مزدوروں کی اہمیت بھی بڑھا دی۔ مزدور سبھائیں زیادہ تعداد میں قائم ہونے لگیں، صنعت و حرفت کے شعبوں میں تجارتی اتحاد پیدا ہونے لگا۔ غرض ہر طرف تجارتی انجمنوں کا زور ہو گیا۔

مزدوروں کی مجالس کو قانونی حیثیت حاصل ہو چکی تھی ان کی مجالس کے لئے اب کوئی روک ٹوک نہ تھی "اگر" وہ حکومت کی مخالفت نہ کریں لیکن یہ "ناممکن تھا کیونکہ حکومت اور سرمایہ داروں میں صرف نام کا فرق تھا ورنہ دونوں فاقہ کش مزدوروں اور ادنیٰ طبقہ کے لوگوں کے لئے مصیبتیں تھیں اور وبال جان۔ سرمایہ دار بنا تے تھے اور حکومت ان سے روپیہ حاصل کر کے مجلس قانون ساز میں جگہ دیتی تھی وہاں ان کا جو دل چاہتا قانون بناتے اور ظلم کے نئے نئے ہتھیار تیار کرتے تھے۔ مزدور ترقی کے لئے دل و جان سے کوشاں تھے لیکن ان کے عمل کی راہیں محدود تھیں، قدم قدم پر رکاوٹیں حائل تھیں۔ قواعد و ضوابط کی سیکڑوں زنجیریں ان کے پیروں میں پڑی تھیں پارلیمنٹ کے ہر اجلاس میں ان کی بڑھتی ہوئی حالت پر بحث ہونے لگی اور انکو قابو میں کرنے کے لئے نئے نئے قوانین بھی بنائے جانے لگے تھے لیکن پھر بھی یہ ممکن نہ تھا کہ اس نئی ابھرتی ہوئی قوت کو جس کا آغاز اس زور و شور سے ہوا تھا آسانی سے کچل ڈالا جاتا۔ بالآخر حکومت کو مجبوراً ان کی خوشی پر خوش ہونا پڑا اور سنہ ۱۸۷۱ء سے سنہ ۱۸۷۵ء تک مراعات کا سلسلہ جاری رہا۔ اس زمانہ میں جو قوانین جاری ہوئے انھوں نے کاروباری معاملات کو بہت کچھ درست کر دیا۔

اب بھی مزدوروں میں ایک ایسی کمزوری باقی تھی جو ان کی سیکڑوں چھوٹی چھوٹی سبھائیں بن گئیں جن کے مقاصد جدا

جدا تھے اس سے مزدوروں کی طاقت گھٹ گئی اور اگر وہ اس
طرف جلد غور نہ کرتے تو بہت ممکن تھا کہ ایک مدت تک ان کی
حالت نہ سدھرتی اور وہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑے رہتے۔ بہر
حال ان لوگوں کے انجینیروں کی مجالس سے مل کر مختلف انجمنوں کو
باہم دگر منسلک کر دیا اور ایک بڑی انجمن قائم کر لی جس کا مقصد یہ
تھا کہ دوستانہ مصالحت اور یکجہتی کو فروغ دیتے رہیں اور
ہم آہنگی کے ساتھ چند مستقل مطالبات کے لئے چیخ و پکار کریں
اور اپنا اقتدار سرمایہ داروں پر قائم کر دیں۔

یہ سلسلہ رفتہ رفتہ بڑھ گیا اور صنعت و حرفت کے ہر شعبہ میں
مشترکہ مجالس بننے لگیں لیکن یہاں بھی ایک فتنہ پیدا ہو گیا وہ
یہ کہ مشترکہ طاقت کے نقائص نے ان لوگوں کو پنپنے نہ دیا اور
یہ معلوم ہو گیا کہ

(۱) مشترکہ قوت میں اراکین کی زیادہ تعداد پر قابو رکھنا مشکل تھا۔

(۲) اتنے آدمیوں کے مختلف مطالبات کو فرداً فرداً پورا کرنا قریب قریب ناممکن تھا۔

(۳) اب بھی بغیر حکومت کی امداد کے ساہوکاروں سے مطلب برآری نہ ہوتی تھی۔

اس بدنظمی کو دیکھ کر عام بے چینی پھیل گئی لیکن مزدور اپنی دھن
کے پکے اور جاں فشانی میں ماہر ہوتے ہیں جو کام انہیں کرنا ہوتا

ہوتا ہے اسے کرکے چھوڑتے ہیں لہٰذا انھوں نے بنے بنائے کھیل کو بگڑتا دیکھ کر جلد ہی آنکھیں کھول لیں اور ان کے قائدین نے سیاست میں سرگرم کار ہو کر عنانِ حکومت کو مزدور پارٹی کے قبضہ میں لانے کی کوشش شروع کر دی۔ جا بجا سیاسی مجلسیں بننے لگیں مزدور سبھا سے نمائندے چنے گئے کیونکہ اب خاص غرض یہ تھی کہ قانون ساز مجلس میں مزدوروں کے نمائندوں کی اکثریت حاصل کی جائے، قانون سازی کا اختیار مل جائے اور اپنے مجوزہ قوانین کی رو سے مطالبات پورے کئے جائیں۔ ابھی اس تحریک کا آغاز ہی ہوا تھا اور اس کے معاونین کی تعداد زیادہ نہ تھی، راج مزدوروں کی انجمنیں اس تحریک کو جوش و خروش کے ساتھ نشر کر رہی تھیں اور عام لوگوں کے میلان کو اپنی طرف متوجہ کر کے ہر ہر قدم پر کامیابی حاصل کر رہی تھیں۔

کوششیں اور کامیابی

۱۸۳۶ء میں لندن کے تاجروں کی ایک انجمن بنی تھی۔ شروع میں اس نے کوئی اہمیت حاصل نہ کی مگر رفتہ رفتہ اس نے فروغ حاصل کرنا شروع کیا اور سیاسی مشاغل کے دور میں اپنا سکہ پوری طرح جما لیا۔ تھوڑے سے ہی عرصہ میں اس کی اہمیت بہت

لہ TRADE UNION COUNCIL

بڑھ گئی۔ اس کا مقصد مزدوروں کے مطالبات کو پارلیمنٹ کے سامنے پیش کرنا اور ان کے حصول کی کوشش کرنا تھا یہ پہلی انجمن تھی جس نے صنعتی ذرائع کو خیرباد کہہ کر سیاسی میدان میں قدم رکھا تھا اس کے بعد سیاسی مجالس تیزی کے ساتھ قائم ہونا شروع ہوگئیں۔ سب اتحادی سبھائیں اس کی تقلید کرنے لگیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت سے مزدوروں نے سیاسیات کو مقاصد کے حصول کا مکمل ذریعہ بنا لیا تھا۔

اس زمانہ میں جو اتحادی جماعت برسر اقتدار تھی وہ جنٹا[1] کے نام سے مشہور تھی جنٹا روز افزوں ترقی حاصل کر رہی تھی وہ اپنے نمائندے مجلس قانون ساز میں کامیابی کے ساتھ بھیج رہی تھی اور ان کے ذریعے اپنے مطالبات پورے کر رہی تھی تھوڑے ہی دنوں بعد انھوں نے اصلاحی قوانین نافذ کرنے کے لیے شور و غل کیا، اس کا مسودہ کئی بار رد کر دیا گیا مگر بعد کو منظور ہو کر قانونی شکل میں جاری کر دیا گیا۔

مزدوروں کی کامیابی بہت ہمت افزا تھی، لندن کے مزدوروں[2] کی ایک بڑی مجلس بنائی گئی جس نے بہت جلد اقتدار حاصل کر لیا

---

[1] "جنٹا" (JINTA) مزدوروں کی وہ جماعت تھی جس کا تعلق لندن کی انجمن تجار (TRADE UNION COUNCIL) سے تھا۔

[2] LONDON WORKMEN'S ASSOCIATION

اور پارلیمنٹ کی نظروں میں وقیع خیال کی جانے لگی ۱۸۶۴ء سے ۱۸۷۱ء تک اس جماعت کے نمائندوں نے مزدوروں کی فلاح وبہبود کے لئے متعدد قوانین نافذ کرائے اس کامیابی نے مزدوروں میں ایک نئی روح پھونک دی اور ان کا عمل کلی پارلیمنٹ کے محاذ کی طرف رجوع ہو گیا۔ اس کام کو انجام دینے کے لئے ایک انتخابی مجلس بنی جس کا نقطۂ نظر قطعی سیاسی تھا اور جس کا مقصد مزدوروں کی بڑی سے بڑی تعداد پارلیمنٹ میں بھیجنا تھا۔ ان کی کاوشوں کا نتیجہ وہ مختلف قانون تھے جو مزدوروں کی بھلائی کے لئے جاری ہوتے رہے مثلاً

(۱) ضابطہ فوجداری کا ترمیم شدہ[1] قانون واپس لے کر مالک و مزدور کا قانون[2] جاری کیا گیا۔

(۲) ۱۸۷۲ء میں کانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کی حالت بھی قانون[3] سے سدھاری گئی۔

(۳) ۱۸۷۵ء میں جہازوں کے مزدوروں کی حالت سدھارنے کے لئے قانون[4] بنائے گئے۔

(۴) ۱۸۷۶ء میں مزدوروں کی صحت ٹھیک رکھنے کے لئے قوانین[5] جاری

---

[1] CRIMINAL LAW AMENDMENT ACT

[3] MINES ACT [2] OWNER AND LABOUR LAW

[5] WORKMEN'S HEALTH ACT [4] SHIPPING ACT

ہوئے۔

برطانیہ میں مزدور تحریک کا یہ وہ دور تھا جس میں سرمایہ دار و ساہوکار اور عوام و حکومت سب ان کی طاقت کو تسلیم کر چکے اور جہاں تک ممکن تھا ان کی بات کو ماننے پر بھی تیار تھے۔ اس دور میں مزدوروں کے سیاسی مشاغل بہت اہم ہو گئے تھے اور اس کے بعد ایک ایسا دور شروع ہوا جس میں عام لوگ ان کا ساتھ دے کر ساہوکاروں سے ان کے چنے ہوئے اشخاص مجلس قانون ساز میں بھی جانے لگے جہاں کی حالت درست کرنے کے لئے قانون بناتے تھے۔

۱۹۰۱ء سے ۱۹۰۶ء تک مزدوروں کی طاقت کو بڑھانے ان کی یگانگت کو فروغ دینے اور ان کی اقتصادی حالت کو درست کرنے کے لئے طرح طرح کی کوششیں عمل میں لائی گئیں اور سب کا آخری مقصد یہی تھا کہ مجلس قانون ساز کو ہاتھ میں لے کر اپنے نمائندوں کی تعداد جس طرح اور جس حد تک ممکن ہو بڑھائی جائے۔

۱۹۰۶ء میں انتخاب کا ایک نیا رنگ دیکھنے میں آیا اب کی بار مجلس انتخابیہ کے نمائندوں کے علاوہ دیگر مزدور نمائندے بھی ایک بڑی تعداد میں دارالعوام میں داخل ہوئے۔ نئے اراکین میں تجارتی اتحادی مجالس کے نمائندوں اور کانوں میں کام کرنے والوں کی مشترکہ انجمن کے نمائندوں کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی۔ اس طرح مزدوروں کی طرفداری کرنے والی اور ساہوکاروں

اور سرمایہ داروں کی مخالفت کرنے والی ایک پوری فوج مجلس قانون ساز میں جمع ہو گئی تھی۔

۱۹۰۶ء سے ۱۹۰۹ء تک مزدوروں کی نئی جماعت نے مزدوروں کی معاشرتی اور اقتصادی حالت درست کرنے کے لئے بہت مفید قوانین نافذ کئے مثلاً

(۱) جہازوں پر کام کرنے والے مزدوروں کو سہولتیں بہم پہنچائیں۔

(۲) مزدوروں کے بچوں کی تعلیم اور ان کے خورد و نوش کا انتظام کیا گیا۔

(۳) بیماری کی حالت میں مزدوروں کو معاوضہ دینے کے لئے قانون جاری کیا گیا لے۔

(۴) بیکار مزدوروں کو کام پر لانے کے لئے دو لاکھ پونڈ کی رقم منظور کرائی گئی۔

(۵) ہر مزدور کو ایک معینہ وقت تک کام کرنے کے بعد پنشن دئے جانے کا قانون بنایا گیا۔

(۶) کوئلہ کی کانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کے لئے صرف آٹھ گھنٹے کام کے مقرر کئے اور یہ قانون پاس ہوا کہ اس کے خلاف عمل کرنے پر منتظمین سے جواب طلب کیا جائے گا اور ان کے خلاف چارہ جوئی کی جائے گی۔

لے COMPENSATION ACT

(٧) مزدوروں کی اجرت کا تعین ہوا تاکہ بیجا تخفیف نہ کی جائے۔
(٨) مزدوروں کے مکانوں اور محلوں کو حفظانِ صحت کے اصولوں کے مطابق درست کرنے کا قانون بنا۔
(٩) مزدوروں کی بیکاری اور خرابیٔ صحت کی ذمہ داری مالکان کارخانہ جات پر عائد کرنے کے لیے قانون نافذ کیا گیا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ مجلسِ مقننہ نے مزدوروں کی حالت قابلِ اطمینان کر دی لیکن برطانیہ کے بہت سے مزدوروں کی حالت اب بھی خراب تھی۔ جب سرمایہ داروں نے دیکھا کہ ہمیں قانونی شکنجہ میں کسا جا رہا ہے تو انھوں نے مزدوروں کو بہت زیادہ تعداد میں کارخانوں سے نکالنا شروع کر دیا اور یہ کہا کہ تمہارے لئے دو لاکھ پونڈ منظور ہوئے ہیں اس سے تمہاری حالت درست ہو جائے گی۔ ہم تمہیں اچھی طرح نہیں رکھتے ہمارے کارخانے چھوڑ دو ہم بدنام ہونا نہیں چاہتے۔ غریب مزدوروں نے کارخانہ والوں کی خوشامد کرکے کارخانہ ہی میں رہنے کی درخواست منظور کرا لی مگر بہت زیادہ نقصان اٹھا کر۔ سرمایہ دار مفت میں اچھی نہیں ہوتا جب سرمایہ داروں نے اپنی ترکیب کو کارگر ہوتے پایا تو انھوں نے مزدوروں سے کہا کہ ہمیں تم کو رکھنا نہیں ہے مگر تم بیکار ہو جاؤ گے اس لئے اگر تم کم اجرت پر رہنا چاہو تو ہم تمہیں رکھ سکتے ہیں۔ [illegible]

تو ہم کارخانہ سے سب کو نکالدیں گے پھر ایک کو بھی کسی کارخانہ میں جگہ
نہ دی جائے گی۔ فاقہ کش مگر سخت کوش مزدوروں نے اس بات کی
کانوں کان حکومت کو خبر نہ ہونے دی اور کم اجرت پر ہی کارخانوں
میں رہنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ مگر سرمایہ داروں نے ان سے اس
بات کا بھی وعدہ لے لیا تھا کہ اگر حکومت کی طرف سے استفسار
ہوا تو انہیں یہ کہنا پڑے گا کہ ہمیں وہی مزدوری ملتی ہے جو حکومت
کی طرف سے مقرر کی گئی ہے۔

۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم شروع ہو جانے سے اصلاحات کا
دور دورہ ختم ہو گیا اس لئے مزدوروں کی اصلاح کا بھی کوئی
دھیان نہیں کیا گیا۔ لیکن چونکہ جنگ چار برس تک جاری رہی
اور دنیا کی قریب قریب تمام متمدن قومیں جنگ میں شریک تھیں
اس لئے سرمایہ داروں کے پاس کچھ سامان نہیں رہا تھا دوسرے
یہ کہ کساد بازاری عالمگیر تھی اور ہر جنگ میں حصہ لینے والی قوم
عالمی کساد بازاری سے بہت پریشان تھی سرمایہ داروں کو بھی
اس حالت میں منافع کی کوئی امید نہ تھی اس لئے سرمایہ دار طبقے
کمزور پڑ گئے۔ اب مزدوروں کی خوب آؤ بھگت لگی اور ان کی حالت
روز بروز اچھی ہوتی گئی یہاں تک کہ ان لوگوں نے عنانِ حکومت
پر بھی قبضہ جما لیا۔

مزدوروں کی معراج

مزدوروں کی کوششیں بہت کامیاب ہوئیں انھوں نے سیاسیات میں حصہ لے کر بہت کامیابی حاصل کی حالانکہ شروع میں صرف تھوڑے سے آدمی ان کے نمائندے بن کر مجلس مقننہ میں داخل ہوئے مگر آہستہ آہستہ ان کی تعداد پارلیمنٹ میں بڑھتی گئی اور ایک وقت ایسا آیا جب ان کے نمائندے دوسری جماعتوں کے نمائندوں سے تعداد میں زیادہ ہو گئے اور انہیں اپنی وزارت مرتب کرنے کا جائز حق ہو گیا۔ اب ہم ان کے نمائندوں کی مختصر فہرست دیتے ہیں اور امید ہے کہ ان کی تعداد کی یہ فہرست دلچسپی سے خالی نہیں ہوگی۔

سنہ ۱۹۰۰ء میں مزدور جماعت (لیبر پارٹی۱؎) کی نمائندہ کمیٹی نے اپنے دو آدمیوں کو دارالعوام کا ممبر منتخب کرایا۔ سنہ ۱۹۰۶ء میں یہ تعداد ۲۹ تک پہنچ گئی۔ جنوری سنہ ۱۹۱۰ء کے "چناؤ" کے موقعہ پر ۴۰ شامل ہو گئے۔ سنہ ۱۹۱۸ء میں ۵۷ ممبر ہوئے اور بائیس لاکھ چوالیس ہزار (۲۲۴۴۰۰۰) آدمیوں کو حق رائے۲؎ ملا جو پہلے سے بہت زیادہ ہو گیا۔ نومبر سنہ ۱۹۲۲ء میں ایک سو چودہ (۱۱۴) نمائندے منتخب ہوئے اور بیالیس لاکھ چھتیس ہزار آدمیوں کو رائے کا حق ملا۔

۱؎ LABOUR PARTY　۲؎ FRANCAISE

دسمبر ۱۹۲۳ء میں لیبر پارٹی کے ممبروں کا شمار ۱۹۲ تک پہنچ گیا اور تینتالیس لاکھ سینتالیس ہزار سے بھی زیادہ لوگوں کو رائے کا حق عطا کیا گیا۔ اس کے بعد ۱۹۲۴ء میں لیبر پارٹی کے پیشوا مسٹر ریمزے میکڈانلڈ، جو ایک معمولی سے مزدور کے لڑکے تھے لیکن اپنی فکر اور اپنے عمل سے مزدوروں کی جماعت کے قائد بن گئے تھے، حکومت کے خلاف، تجویز عدم اعتماد لبرل جماعت سے مل کر، پاس کرا دی چنانچہ ۲۲ جنوری ۱۹۲۴ء کو ریمزے میکڈانلڈ سلطنت کے وزیر اعظم مقرر ہو گئے یہ مزدوروں کی معراج تھی اور میرے خیال میں برطانیہ عظمیٰ کا صراط مستقیم

ریمزے میکڈانلڈ

مسٹر جیمس ریمزے میکڈانلڈ ۱۲ اکتوبر ۱۸۶۶ء کو انگلستان کے ایک چھوٹے سے گاؤں لاسی متھ میں پیدا ہوئے۔ قصبہ ڈرینی کے بورڈ اسکول میں تعلیم و تربیت حاصل کی اور اٹھارہ سال کی عمر میں لندن پہنچے۔ لندن میں ریمزے میکڈانلڈ تقریباً دس روپے[1] فی ہفتہ پر کلرک مقرر ہو گئے۔ لیکن بعد میں خرابی صحت کی وجہ سے ملازمت سے دستبردار ہو کر اخبار نکالنے لگے مگر آپ نے اپنی تعلیم کو شبینہ مدارس اور نجی مطالعہ کے ذریعہ جاری

---

[1] [illegible]

رکھا اور وسیع مطالعہ کی بنا پر پکّے اشتراکی بن گئے۔ سنہ ۱۹۰۹ء میں
وہ آزاد لبرل جماعت میں شریک ہو گئے اور سنہ ۱۹۱۰ء میں پہلی بار
ہندوستان آئے پھر سنہ ۱۹۱۲ء میں سول سروس رائل کمیشن کے
رکن کی حیثیت سے آ گئے۔

سنہ ۱۹۰۰ء سے قبل تجارتی اور صنعت و حرفت کی پیشہ ور
جماعتیں ملکی سیاسیات سے علیحدہ رہتی تھیں۔ یہ میکڈانلڈ کی مساعی
جمیلہ ہی کا نتیجہ تھا کہ سنہ ۱۸۹۹ء میں متحدہ تجارتی جماعت نے پارلیمنٹ
میں مزدوروں کی سیاسی جماعت بنانے کا فیصلہ کیا۔ سنہ ۱۹۰۰ء
میں لیبر پارٹی (سیاسی) قائم ہو گئی۔ سنہ ۱۹۰۶ء میں اس نے پہلی بار
انتخابات میں حصہ لیا اور سنہ ۱۹۲۴ء میں برسر اقتدار آئی۔ ریمزے
کا پہلا دور حکومت صرف دس ماہ رہا۔ انھوں نے امن و امان
قائم کرنے کی کئی تدابیر اختیار کیں ان میں ایک تدبیر یہ بھی تھی کہ
روس سے معاہدہ کر لیا جائے۔ اس پر لبرل جماعت علیحدہ ہو گئی اور
ایک اخبار "کمیونسٹ ورکرز ویکلی" کے مدیر مسٹر جے۔ آر کیمپبل کے
خلاف مقدمہ واپس لے لینے کے سلسلہ میں مسٹر ریمزے کو شکست
ہوئی اور عام انتخاب ہوا چونکہ قوم اب لیبر پارٹی سے بددل ہو گئی تھی
اور اسے بالشویک تحریک کا زبردست حامی سمجھتی تھی اس لئے
صرف ایک سو [illegible] ممبر اس جماعت کے منتخب ہوئے اور [illegible]

میکڈانلڈ نے وزارت سے استعفیٰ دے دیا۔

۱۹۲۹ء میں لیبر پارٹی کے دو سو نوے ممبر پارلیمنٹ میں منتخب ہوئے کسی دوسری جماعت سے اتنے اشخاص ممبر نہ بنے تھے یعنی دارالعوام میں لیبر پارٹی کا پلّہ بھاری ہوگیا اس لئے میکڈانلڈ دوبارہ وزیر اعظم بن گئے۔ اس مرتبہ آپ امن وامان قائم کرنے میں کامیاب ہوئے لیکن عالمگیر کساد بازاری تھی دوردورہ میں دوسرے ممالک کی حکومتوں کی طرح آپ کی وزارت بھی دو برس بر سر اقتدار رہ کر ختم ہوگئی۔

اس کے بعد میکڈانلڈ نے لیبر جماعت کی مرضی کے خلاف تمام جماعتوں سے سمجھوتہ کرکے ایک مشترکہ حکومت قائم کرلی۔ اس سے خواہ ان کا مطلب قومی اتحاد ہو یا ذاتی اقتدار لیکن اس سے لیبر پارٹی کو جس کو میکڈانلڈ نے گہوارہ کی منزل سے لے کر پروان چڑھایا تھا اور جس کے آپ بیس سال تک رہنما رہے تھے، بہت زبردست دھکا لگا اور اس کا شیرازہ درہم برہم ہوگیا۔ اس کے بعد مزدوروں کی جماعت کی حالت خراب ہوتی گئی۔ مسٹر بالڈون چیمبرلین اور چرچل سب سرمایہ دار وزیر یکے بعد دیگرے ہوئے اس سے ظاہر ہے کہ مزدوروں کی کیا حالت ہوگئی ہوگی بہرحال یہ قابل اعتراف حقیقت ہے کہ انگلستان میں سرمایہ داروں کی صرف داری ہوتی ہے کیونکہ وزارت ہی سرمایہ دار وزیر اعظم

زیادہ تر مرتب کرتے ہیں۔ وزیر اعظم اکثر خود بڑے سرمایہ دار ہوتے
ہیں، سرمایہ دار حکومت کا ہاتھ اپنے سر پر دیکھتے ہیں تو وہ بے باک
ہوکر مزدوروں پر ظلم کرتے ہیں مزدوری پوری ادا نہیں کرتے اور کام زیادہ
لیتے ہیں جب چیزوں کی قیمت گری ہوئی ہوتی ہے تو وہ یہ کہہ دیتے
ہیں کہ ہمیں بھی کچھ نہیں ملتا اور جب جنگ چھڑ جاتی ہے تو قیمت بڑھاکر
خود تو خوب کماتے ہیں اور مزدوروں سے کہا جاتا ہے کہ لڑائی کی
وجہ سے محصول بہت بڑھ گیا ہے ہمیں کچھ نفع نہیں ملا اس لئے اجرت
کم دی جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ مزدور جنگ سے گھبراتے ہیں چنانچہ
ستمبر ۱۹۳۹ء میں برطانیہ نے جرمنی کے خلاف جنگ کا اعلان کیا تو
مزدوروں کے پیشوا جارج لانس بری نے اس کی مخالفت کی مگر
مزدوروں کی شنوائی ہرگز نہیں ہو سکتی تھی جس کام میں سرمایہ داروں
کا فائدہ ہو وہ ضرور ہوکر رہتا ہے مگر جس میں سرمایہ داروں کو
نقصان ہونے کا اندیشہ ہو وہ کام ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا۔

یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے جس سے کوئی عقلمند انکار نہیں کرسکتا
کہ انگلستان کا سرمایہ وہاں کے مزدوروں کے لئے اذیت رساں
ہیں ملک دیگر ممالک کے لئے بھی۔ مصیبت وہ ہے انگلستان اپنی
نوآبادیات اور دیگر ممالک سے خام پیداوار خود منگاتا ہے اور
اپنی مصنوعات وہاں بھیجتا ہے اگر کوئی ملک اس بات کو قبول نہیں
کرتا تو اس کو جنگ کا خوف دلایا جاتا ہے چنانچہ جب چین والوں

نے افیون بند کر دی تو برطانیہ کو جو چین کے باشندوں کو افیون فراہم کرتا تھا نقصان عظیم ہوا اس لئے برطانیہ نے انہیں دھمکی دی اور کہا کہ تمھیں افیون لینا ہوگی ورنہ معاہدہ توڑنے پر ہم تم پر حملہ کریں گے اور تم سے ہماری جنگ چھڑ جائے گی مگر چین والوں نے ایک نہیں سنی بالآخر سرکار برطانیہ کو جنگ کرنا اور پھر خاموش ہونا پڑا دوسری طرف جنوبی امریکہ نے غیر ممالک کے سرمایہ داروں کی مخالفت کے سلسلہ میں برطانیہ کی مصنوعات لینا بند کر دیا اور بیرونی سرمایہ داروں کے خلاف شورش برپا کر دی اور وہاں بھی برطانیہ کے سامان کی خرید حد سے زیادہ کم ہو گئی جس سے انگلستان کو بہت نقصان ہوا مگر چین میں اب بھی برطانیہ کا ایک ارب ۷۵ کروڑ پونڈ کا سرمایہ لگا ہوا ہے۔ خود ہمارے ہندوستان کو ہر سال برطانیہ اور اس کی دیگر نوآبادیوں کے لئے ایک کروڑ نو ہزار چار سو اٹھہتر پونڈ کی خام پیداوار بھیجنی پڑتی ہے اور ہر سال برطانیہ کا ایک کروڑ سولہ لاکھ سینتالیس ہزار تین سو نوے پونڈ کا سامان خریدنا پڑتا ہے جس میں روئی کا سامان، مشینیں، ملوں کی بنی ہوئی چیزیں، تیل، دھاتیں، اوزار، ہتھیار، کل پرزے، انجن، موٹر، سائیکل، دوسری پہیے دار چیزیں، کپڑا، کھلونے، دھاتوں اور [illegible] کی بنی ہوئی چیزیں اور دیگر اشیاء شامل ہیں۔ اگر ان کی خرید بند کر دی جائے تو [illegible]

میں مشکل پڑے۔

انگلستان کے لارڈ غریبوں کو سرمایہ دار مزدوروں کو اور اعلیٰ طبقہ کے لوگ چھوٹے طبقہ والوں کو تکلیفیں دیتے ہیں۔ کام کرنے والوں کو کوئی چھٹی نہیں دی جاتی ان کی مزدوری میں کوئی رعایت نہیں کی جاتی ان کے مرنے کے بعد ان کے بچوں کو کوئی رقم نہیں دی جاتی۔ بچوں اور بوڑھوں سے بلا امتیاز کے کام لیا جاتا ہے۔ کوئی قانون ایسا نہیں کہ اس عمر سے چھوٹے بچوں اور اس عمر سے زیادہ بوڑھوں کو کام میں نہ لگایا جائے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ بچوں اور بوڑھوں سے زیادہ سخت کام نہیں ہو سکتا اس لئے قانون بنادیا جاتا ہے کہ اٹھارہ برس کی عمر سے پہلے اور پچاس برس کے بعد لوگوں سے کام نہ لیا جائے مگر انگلستان میں کسی ایسے قانون پر عمل نہیں ہوتا۔ پنشن کے لئے کوئی قانون نہیں۔ صرف یہ جائز رعایت مزدوروں کو دی گئی ہے کہ اگر مشین میں ان کا ہاتھ یا پیر آ کر کٹ جائے تو کارخانہ کا مالک ان کو ایک مقررہ رقم دے دیتا ہے اور مر جانے پر مالک کمپنی کو ایک رقم مقررہ اس کی بیوہ اور اس کے بچوں کو دینا پڑتی ہے۔ مزدوروں کی صحت اور خورد و نوش کی کسی کو کچھ پروا نہیں۔ ان کی جماعت کو اتنا طاقت ور ہونے ہی نہیں دیا جاتا کہ وہ کچھ کام کر سکے۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ انگلستان کے مزدوروں اور پیشہ ور طبقہ کے لوگوں کی معاشی اور معاشرتی حالت ٹھیک نہیں اور فلاکت، عسرت اور

نے چینی برطانیہ عظمیٰ کے مزدوروں میں بھی بہت زیادہ پھیلی ہوئی ہے۔

انگلستان کا کسان

ستمبر ۱۹۳۵ء کے ایک انگریزی رسالے تبصرۂ جدید[1] میں مسٹر ایم ان سنہا نے ایک مضمون "انگریز کسان کے ساتھ" لکھا ہے۔ اس میں "فاضل مضمون نگار نے بہت قابلیت سے کام لیا ہے چار صفحوں میں انگلستان کے کسان کی مکمل اور صحیح تصویر پیش کی ہے کوزہ میں دریا کو بند کر دیا ہے۔ آیئے مسٹر سنہا کے آئینۂ نگارش میں انگلستان کے کسان کے حالات کی صورت دیکھیں۔

انگلستان کا کسان نہ تو ہندوستان کے کاشتکار کی طرح کھیتی کو اپنا موروثی پیشہ سمجھتا ہے اور نہ وہ اتنا متعصب اور تنگ نظر ہوتا کہ نئی چیزوں کے استعمال سے انکار کر دے۔ نہ وہ جاہل ہوتا ہے اور نہ اپنے آباو اجداد کے طریقوں پر ہٹ دھرمی کے ساتھ قائم ہے۔ انگلستان کا کسان آکسفورڈ یونیورسٹی سے زراعت کی اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے کاشتکاری شروع کرتا ہے اور جب وہ اس میں ترقی نہیں دیکھتا تو اسے ترک کر دیتا ہے۔ انگلستان میں کاشتکار تعلیم یافتہ، سمجھدار اور نئی روشنی کا انسان ہوتا ہے وہ کیمیاوی کھاد، مشینوں اور سائنس کے اوزاروں کو آزادی کے

---

[1] MODERN REVIEW, CALCUTTA

ساتھ استعمال کرتا ہے۔ ہندوستان کے کسان کے پاس بہت
تھوڑی سی زمین ہوتی ہے وہ زیادہ زمین کا انتظام اچھی طرح نہیں
کر سکتا کیونکہ وہ کئی صدیوں پیشتر کے ہل اور اوزار استعمال کرتا
ہے۔ نئے اوزار استعمال کرنے سے احتراز ہی نہیں کرتا بلکہ اگر اس
سے اصرار بھی کیا جائے تو وہ یہی کہتا ہے کہ بھائی اِن بکھیڑوں
میں کیا پڑنا چاہتے ہو میرے باپ دادا نے جو اوزار کام میں لئے
میں تو وہی کام میں لاؤنگا تمہارے نئے اوزار تم اپنے ہی پاس
رکھو میں انہیں کبھی استعمال نہیں کر سکتا۔ پرانے اوزاروں کو استعمال
کر کے اس کا کھیت اتنی جلدی کارآمد نہیں ہو سکتا جتنا جلد نئے
اوزاروں کیمیاوی کھادوں اور مشینوں کے استعمال سے۔ اس سے
ظاہر ہے کہ جب اسے زمین کو کارآمد بنانے کے لئے پرانے اوزاروں
کو کام میں لا کر کافی دیر لگتی ہے تو وہ زیادہ زمین کو وقت مقررہ کے
اندر وہ کارآمد نہیں بنا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے کسان کے
پاس اوسطاً پانچ ایکڑ زمین رہتی ہے لیکن انگلستان کے کاشتکار کے
پاس ساٹھ ایکڑ سے کم زمین تو کبھی بھی نہیں رہتی اور عام طور پر وہاں
کے کاشتکار زمین سو سے لے کر چھ سو ایکڑ تک زمین اپنے پاس رکھتے
اور اس کا بہت اچھی طرح انتظام کرتے ہیں۔ انگلستان کا کاشتکار
اپنی زمین کے تین حصے کرتا ہے پہلے حصہ میں وہ مکان بنا کر رہا کرتا ہے
دوسرے حصہ کو چراگاہ بنا کر مویشیوں کے کام میں لاتا ہے

اور تیسرے حصّہ میں وہ کاشت کرتا ہے۔ اس تیسرے حصّہ میں وہ کئی قطعے بنا کر ہر قطعہ میں ایک نئی پیداوار کا انتظام کرتا ہے۔

مسٹر ایم ان سمہا لکھتے ہیں کہ "باوجود کیمیاوی اجزا اور نئے بنے ہوئے اوزاروں کے استعمال کے، ہندوستان کی زراعت کے مقابلہ میں انگلستان کی کھیتی باڑی اور اسکی پیداوار ہرگز ہرگز نہیں لائی جا سکتی کیونکہ ہندوستان کا کسان چالیس کروڑ انسانوں سے بھی زیادہ کے لئے رزق پیدا کر لیتا ہے جو دو سال کے لئے یقیناً کافی ہوتا ہے مگر انگلستان کا کاشتکار کیمیاوی ذرائع حاصل ہونے کے باوجود اتنی پیداوار بھی نہیں کر سکتا جو انگلستان ہی کی آبادی کے لئے صرف تین ماہ کے واسطے کافی ہو۔

"میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ انگلستان کے آلوؤں، ٹماٹو اور گوبی کی فصلوں سے زیادہ اچھی فصلیں ہمارے ہندوستان میں ہوتی ہیں اور یہاں کے آلو اور گوبی وہاں کے پیدا کئے ہوئے آلوؤں اور گوبی کے پھولوں سے کہیں بڑے ہوتے ہیں کیونکہ ہندوستان کی زمین لاکھ درجے بہتر ہے۔ ایک دہ بات انگلستان کے کسان کیلئے بہت تکلیف دہ ہے وہ یہ کہ اس کو اتنی آمدنی بھی نہیں ہوتی کہ وہ اچھی طرح گزر بسر کر سکے۔

"شہر تھسل کے ایک مدرسہ کی معلمہ نے مجھ سے بڑے تعجب سے کہا کہ کسانوں کے نوے فیصدی لڑکے کلاس میں دودھ پینا بھی نہیں جانتے" میرے خیال میں بہت سے ہندوستانیوں کو یقین

نہیں ہو سکتا کہ انگلستان کے بچوں کو دودھ پینا نہیں آتا مگر یہ مسٹر مارن سہنا نے نیوکیسل کے ایک مدرسہ کی معلمہ نے خود بیان کیا مسٹر مان سہنا لکھتے ہیں کہ "انگلستان میں جو شخص بہت ہی بے کار رہتا ہے اور ایک عرصہ تک بیکار رہتا ہے وہی مجبور ہو کر کاشتکاری شروع کرتا ہے کیونکہ انگلستان کے کسان کو بالکل نفع نہیں ہوتا بلکہ یہ کہنا بہتر ہوگا کہ اسے زندگی بسر کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے" اپنے مضمون میں مسٹر سہنا لکھتے ہیں کہ :-

لائڈ جارج نے گاؤں کے مدرسوں کے معلمین کی انجمن میں گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ "ہمارے کسان کی حالت بہت خراب ہے اس کی فصلیں اس کی خواہش کے مطابق فروخت نہیں ہوتیں - اس کی مالی حالت ناقابل اطمینان ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ انگلستان کے بے کار نوجوان کاشتکاری نہیں کرتے اور جبکہ جرمنی میں تیس فیصدی فرانس میں چالیس فیصدی لوگ کاشتکاری کرتے ہیں ہمارے انگلستان میں یہ طبقہ آبادی کا صرف پانچ فیصدی ہے"

موصوف آگے لکھتے ہیں کہ کسان کی ایسی خراب حالت ہونے ہی کی وجہ سے لوگ کاشتکاری میں نہیں پھنستے اور یہی سبب ہے کہ انگلستان میں دو لاکھ بیکار اپنی بے روزگاری کے باوجود زراعت نہیں کرتے"

اس طرح ہمیں معلوم ہوا کہ برطانیہ کے مزدوروں ، کسانوں اور

ادنیٰ طبقہ کے لوگوں میں مفلسی، بے روزگاری، بے چینی اور عسرت و فلاکت بے حد ہیں اور وہاں کے لارڈ اور سرمایہ دار مزے کرتے ہیں۔ اُف رے سرمایہ پرستی ہائے ہائے۔

انگلستان کے اخبار اور رسالے بھی وہاں کے کسانوں کی حالت اکثر بیان کرتے رہتے ہیں۔ ذیل میں ہم بھی ایسے ہی ایک مضمون کا کارآمد حصہ درج کرتے ہیں:۔

"MY UNCLE.. .. ..

POSSESSED A FARM SOMEWHERE IN ENGLAND. "BUT UNCLE" I ASKED HIM "WHERE DO YOU MAKE YOUR PROFITS?" "MY BOY, YOU DON'T UNDERSTAND AGRICULTURE. NOWHERE IN EUROP DOES IT YIELD PROFIT. I GET MY PROFIT IN A ROUNDABOUT WAY—THROUGH FATTENING FOODS. ALL THIS WEALTH OF FOOD IS EATEN BY MY CATTLE."

IS THAT HOW YOU UTILIZE YOUR HARVEST?"

"NO, MY DEAR BOY. THE FATTENING FOOD ITSELF BRINGS ME NO INCOME. NOT A FARTHING. THE CATTLE PROSPER ON IT NOT I. CERTAINLY NOT I."

AND THE PROFIT UNCLE?"

"WELL, YOU SEE, MY BOY, IT IS DIFFICULT FOR A LAYMAN TO UNDESTAND.

MY PROFIT COMES FROM THE MANURE PRODUCED BY MY CATTLE."

"OH .. .."

"YES. AND THE MANURE" .. .. -THE UNCLE'S LIPS TWITCHED A LITTLE, "THE MANURE IS STREWN ON THE FIELDS AND IN ITS TURN YIELDS "THE RICH HARVEST" YOU SEE"

(LILLIPUT VOL. IV. N.O.3)

یہ تھا انگلستان کی سرمایہ پرستی میں رہ کر کاشت کرنے کا حال
جو ہندوستانیوں کے لئے طنز اور مزاح لیکن انگلستان کے
کسان کے لیے واقعات اور حقیقت کی حیثیت رکھتا ہے۔

اب پھر لیبر گورنمنٹ قائم ہو گئی ہے اور مسٹر اٹلی وزیر اعظم اور مسٹر
بیون کوشش کر رہے ہیں کہ سرمایہ داروں کے خلاف ایک منظم
محاذ قائم کیا جائے مزدوروں اور کسانوں کی حالت درست ہو جائے
ہماری بھی دعائیں اور ہمدردی ان کے ساتھ ہے ممکن ہے کہ چودہ سال
بعد مسٹر اٹلی میکڈانلڈ کے نقش قدم پر چل کر مزدوروں کے لئے کچھ
اصلاحی کام کر جائیں اور عدم اعتماد کے خطرہ سے بھی بچے رہیں۔

باب چہارم

سرمایہ داری اور امریکہ و جاپان

(۱) (الف) شمالی امریکہ

ریاستہائے متحدہ امریکہ کے سابق صدر مسٹر روزولٹ نے ایک مدت تک یہ کوشش کی کہ سرمایہ دار حکومت سے سمجھوتہ کر کے ملک کی تنظیم میں ہاتھ بٹائیں۔ ۱۹۳۷ء میں جنوبی امریکہ میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی تھی جس میں مسٹر روزولٹ بذات خود گئے تھے اور انھوں نے یہ کوشش کی تھی کہ ریاستہائے متحدہ امریکہ اور جنوبی امریکہ کو ایک ہی دائرہ سمجھ کر باہمی مشورہ سے جملہ حصص میں متحدہ تجارتی تنظیم کی جائے۔ مگر وہ کچھ نہ کر سکے تاہم وہ امریکہ کی حالت سدھارنے میں ایک حد تک کامیاب ہو گئے تھے۔

امریکہ میں یہ قانون بن چکا ہے کہ مزدور اپنے حقوق و مطالبات کی حفاظت کے واسطے اپنی انجمنیں بنا سکتے ہیں۔ حکومت

نے مزدوروں کے لئے یہ رعایات بھی ملحوظ رکھی ہیں کہ ان کے کام کرنے کے لیے گھنٹے مقرر کر دئے ہیں ان کے بچوں کو مفت تعلیم دی جاتی ہے اور دیگر ممالک کی طرح یہ قانون بھی موجود ہے کہ اگر مزدور کا کوئی عضو مشین میں آکر کٹ جائے تو اس کو گھر بیٹھے اجرت دی جائے اور اگر کوئی مزدور مشین میں آجائے اور کٹ کر مر جائے تو اس کی بیوہ اور بچوں کو کچھ وظیفہ دیا جائے۔ لیکن یہ قوانین عملی نہیں صرف لفظی ہیں۔ سرمایہ دار ممالک میں کتنے ہی قانون بنا دئے جائیں بیکار ہیں۔ سرمایہ دار مزدوروں سے کہتے ہیں کہ اگر تمہیں ہماری شرطوں پر راضی ہو کر کارخانہ میں رہنا ہو تو رہو ورنہ کارخانہ چھوڑ دو۔ مزدور اگر سرمایہ دار کی شرطیں منظور کرتا ہے تو اسی کی حق تلفی ہے اور اگر کارخانہ چھوڑتا ہے تو کھائے کیا؟ آخر کو مجبور ہو کر وہ پیٹ کے لئے اپنی حق تلفی ہی پر راضی ہوتا ہے اور قہر درویش بر جان درویش سمجھ کر کارخانہ میں ظالموں کے ظالم قوانین کے مطابق اپنی ہڈی بوٹی بچاتا، خون چساتا اور اپنی دوزخ بھرتا ہے اس لئے حکومت کے قوانین اس کے لئے کاغذی تصویروں سے زیادہ اہم نہیں ہوتے ہیں اسی وجہ سے سرمایہ دار ممالک میں مزدوروں کی حالت درست ہونا محال ہے۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ امریکہ سرمایہ دار ملک ہے بھی یا نہیں۔

امریکہ کا یورپ کے متمدن و ممتاز ممالک سے مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ میں چالیس فی صدی لوگ، ڈنمارک

اور آسٹریا کے اعلیٰ سے اعلیٰ سرمایہ دار سے زیادہ صاحب ثروت
ساٹھ فیصدی جرمنی کے اہل ثروت سے زیادہ صاحب دولت
پچھتر فیصدی پیرس کے اعلیٰ سے اعلیٰ دولت مند ۵۵ فیصدی
برطانیہ کے اعلیٰ سے اعلیٰ سرمایہ دار اور ہالینڈ اور سویڈن کے بڑے
سے بڑے سرمایہ دار سے سو فیصدی زیادہ صاحب دول موجود
ہیں۔ امریکہ صرف چین کو ہی دس کروڑ ڈالر کے اجناس خام اور مصنوعات
ہر سال بھیجتا ہے اور جاپان کو تیئس ۲۳ کروڑ تیس لاکھ ڈالر کا مال ہر
برس روانہ کرتا تھا۔ اور خود ہمارے ہندوستان میں جتنا مال مصنوعہ
باہر سے آتا ہے اس کا ۶۲۵ فیصدی سامان امریکہ سے آتا ہے اور
ہندوستان کی برآمد کا ۹۰۵ فیصدی کچا سامان، روئی، جوٹ،
اور بیج وغیرہ امریکہ جاتا ہے۔ چاندی کی کانوں میں امریکہ کا پہلا
نمبر ہے دوسری دھاتوں کے لحاظ سے بھی امریکہ معدنیات والے
ممالک کی صف اول میں ہے۔ یورپ کے قریب قریب تمام ممالک
امریکہ کے قرض دار ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ امریکہ میں نظام سرمایہ
داری بہت اعلیٰ پیمانہ پر ہے۔ اب ہر شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے
کہ وہاں کے مزدوروں کسانوں اور ادنیٰ طبقہ کے لوگوں کے ساتھ
کیا سلوک ہو سکتا ہے؟ —!

آئیے امریکی کسانوں اور مزدوروں کے ساتھ دو لمحے گزاریں۔

امریکہ اور کسان و مزدور۔ امریکہ ہندوستان کی طرح زراعت

پیشہ ملک تو نہیں پھر بھی وہاں کی آبادی کا بہت بڑا حصہ یہی پیشہ کرتا ہے۔ انگلستان کی طرح امریکہ کا کاشتکار بھی بہت سمجھدار تعلیم یافتہ، بہت ترقی یافتہ، نئی روشنی اور روشن خیالات کا آدمی ہوتا ہے وہ کیمیاوی اجزا، بالکل نئے اوزار اور مشینیں استعمال کرتا ہے اور بہت ہوشیاری سے فصلیں پیدا کرتا ہے مگر امریکہ کے کاشتکار کو ایک بہت بڑا دکھ ہے اور وہ یہ ہے کہ اگرچہ وہاں زمینداری کا رواج نہیں مگر سرمایہ دار کسانوں کی پیداوار بہت سستے داموں خرید لیتا ہے اور خود اس کو ملک میں اور ملک کے باہر بہت گراں قیمت پر فروخت کرکے بہت زیادہ منافع حاصل کرتا ہے اور اس طرح کسانوں کو کچھ بھی نفع نہیں ملتا۔ افسوس کہ اب تک کوئی ایسا قانون حکومت نے جاری نہیں کیا جس کی رو سے کسانوں سے سرمایہ دار غلہ نہ لینے پائیں بلکہ وہ خود اپنی انجمنوں اور نمائندوں کے ذریعے سے غلہ کو بیچے۔ نیز یہ کہ جب اناج زیادہ پیدا ہوتا ہے اور فصل بہت اچھی ہوتی ہے تو سرمایہ دار یا حکومت کی طرف سے زائد پیداوار جلادی جاتی ہے اور باقی ماندہ غلہ کو خرید کر بیچ دیا جاتا ہے۔ اس سے امریکہ کے کاشتکار کو نقصان عظیم برداشت کرنا پڑتا ہے اور بہت خراب حالت میں اس کی زندگی بسر ہوتی ہے۔ اکثر تو قیمت بڑھانے کے لئے غلہ دفن کردیا جاتا ہے۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حکومت کیوں سرمایہ داروں سے مل کر پیداوار کو جلواتی یا دفن کرنے دیتی ہے ہم اس سوال کا جواب فوراً سمجھ میں آجائے گا جب ہم سرمایہ داروں اور حکومت کے تعلقات کو مختصراً بیان کردیں گے۔ حکومت دیکھتی ہے کہ سرمایہ داروں کی بدولت ملک کی تجارتی ساکھ غیر ممالک میں قائم ہے اور حکومت کے کاموں میں سرمایہ داروں سے مالی امداد لینا پڑتی ہے اس لیے حکومت سرمایہ داروں سے چند شرائط پر سمجھوتہ کرتی ہے۔ سرمایہ دار کو حکومت میں رہ کر اس کی شرطیں ماننا پڑتی ہیں اور حکومت کو بغرض استمداد اس کی شرائط پر راضی ہونا پڑتا ہے اس طرح حکومت اور سرمایہ دار قریب ہی قریب ہیں دور نہیں۔ مقدم الذکر روپیہ لیتی ہے اور موخر الذکر مجلس قانون ساز میں نشستیں حاصل کرکے اپنے مفید مطلب قوانین بنواتے ہیں۔ حکومت اور سرمایہ دار دونوں ہی غریب کسانوں، مزدوروں اور پیشہ ور طبقوں کے دلوں پر مونگ دلتے ہیں۔ سرمایہ دار "کانگریس" میں نشستیں حاصل کرکے اپنے موافق قوانین بنوا لیتے ہیں جس سے کسان اور مزدور کے رہے سہے حقوق بھی اکثر چھن جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ امریکہ میں آئے دن شورشیں ہوتی رہتی ہیں اور کسان اور مزدوروں کی جد و جہد اپنی حالت سدھارنے کے لئے جاری رہتی ہے مگر مزدوروں کو ابھی تک کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی اور مزدور اور کسان بڑھتے

ہی کچل دئے جاتے ہیں اور حکومت میں " امن و امان " قائم کر دیا جاتا ہے۔
اگر امریکہ کے لئے یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ " امریکہ سب سے زیادہ
امیر اور سب سے زیادہ غریب ملک ہے "۔ کیونکہ وہاں سرمایہ داری
بہت اعلیٰ پیمانہ پر ہے اس وجہ سے دراصل امریکہ سب سے زیادہ
امیر ملک ہے لیکن یہ امر لابدی ہے کہ جہاں جس قدر زیادہ زبردست
نظام سرمایہ داری ہوگا وہاں اسی قدر سرمایہ دار اہل ثروت اور طاقتور
ہوں گے اور مزدور بے بس، عسرت زدہ مفلوک الحال اور غیر مطمئن
رہیں گے کیونکہ دو مخالفین میں سے ایک کمزور اور ایک طاقتور ہوگا تو
کمزور پس کر رہ جائے گا۔ یہی حال امریکہ کا ہے سرمایہ دار کوشش
کرتے ہیں کہ مزدوروں میں یگانگت نہ پیدا ہو اور جب ایک قوت
ان کے خلاف جمع ہوتی ہے تو سرمایہ دار پروپیگنڈا سے اس میں
پھوٹ ڈال دیتے ہیں۔ حکومت کی ہمدردی سرمایہ داروں کے ساتھ
ہے اور مجلس متقننہ (کانگریس) میں سرمایہ داروں کو زیادہ جگہیں ملتی
ہیں اس لئے وہ کثرت رائے سے اپنے ہی موافق قوانین بنوا لیتے
ہیں اور مزدوروں کی حالت سدھارنے کے لئے جو قوانین نافذ
ہوتے ہیں ان پر عمل نہیں ہونے دیتے۔ کسانوں کی زیادہ پیداوار
جلا ڈالی جاتی ہے۔ بیماری کی حالت میں مزدوروں کو بغیر کام کے
اجرت نہیں دی جاتی۔ بیکاروں کے لئے کوئی خاص انتظام نہیں۔
کانوں میں کام کرنے والوں سے زیادہ کام لیا جاتا ہے جس کی سے

ان کی صورت اور صحت بگڑ کر رہ جاتی ہے۔ مزدوروں کو پنشن ملنے کا کوئی قانون نہیں۔ مزدوروں کے مکانوں اور شہروں کو حفظانِ صحت کے اصول کے مطابق درست کرنے کا کوئی انتظام نہیں۔ اجرت کے تعین کا قانون ہے مگر اس پر عمل درآمد نہیں ہوتا۔

اسی طرح باقی امریکہ میں مزدوروں کے بہت سے جائز حقوق کی حفاظت کے لئے کوئی قانون ہی نہیں اور جو قوانین ہیں بورژوا طبقہ کی زبردست اور طاقتور جماعت ان پر عمل نہیں ہونے دیتی۔ جب دن بھر کی عرق ریزی کے بعد مزدور اور کسان کو کھانے کو نہیں ملتا اور چین کی نیند نصیب نہیں ہوتی تو وہ اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی کاموں پر لگا دیتے ہیں اور اس طرح ان کی صحت، ان کا آرام، ان کی نسل سب کچھ برباد ہو جاتا ہے۔ بورژوا طبقہ کی طاقت کی وجہ سے پرولیتاریٹ طبقہ کی حالت بہت خراب ہے اور بے چینی عام طور پر پھیلی ہوئی ہے۔ جس طرح انگلستان میں لندن (سب سے زیادہ بڑے اور خوبصورت شہر) کے مغربی حصہ میں امرا اپنے مسکنوں میں خوش حالی کی زندگی گزارتے اور عیش و عشرت میں مست رہتے ہیں لیکن مشرقی قطعہ میں بے بس اور مفلس پرولیتاریٹ (ادنیٰ طبقہ کے لوگ) بھرے پڑے ہیں۔ ان کی کوئی بات پوچھنا تو کیا معنیٰ! ان سے ہم کلام ہونا شایانِ شان نہیں سمجھا جاتا اور ان کی عسرت و بے روزگاری دیکھ کر دشمنوں کو بھی ترس آجاتا ہے

اسی طرح امریکہ کے ہر شہر کا ایک حصہ سرمایہ داروں سے آباد ہے جو دولت کے نشہ میں چور اور لطفِ تعیش و بے فکری کے غیر حصہ دارانہ مالک ہیں لیکن دوسرے حصّہ میں غربت و کس مپرسی کا وہ منظر دیکھنے میں آتا ہے جو پتھر کے دل کو بھی موم کر دیتا ہے۔

(۱) (ب) جنوبی امریکہ

جنوبی امریکہ میں کئی چھوٹی بڑی جمہوری حکومتیں ہیں جن میں انقلابات رونما ہوتے رہتے ہیں۔ اگر ہم جنوبی امریکہ کو مجموعی طور پر دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہاں خام اجناس کی بہت کثرت ہے اور پیٹرول میں بھی شمالی امریکہ[ل] کے بعد جنوبی امریکہ ہی کا نمبر آتا ہے۔

سنہ ۱۹۳۰ء کی عالمی کساد بازاری نے جنوبی امریکہ کی اقتصادی حالت کا توازن خراب کر دیا۔ تمام ملک میں سرمایہ داروں کی حرص نفع گیری اور مزدوروں کی بے روزگاری اور شورشوں نے فرقہ وارانہ فساد کی بنیاد ڈال دی۔ بیرونی سرمایہ اور اجنبی سرمایہ داروں کی بے جا حرکات نے جنوبی امریکہ والوں کو بہت نقصان پہنچایا جب جمہوریتیں کمزور تھیں غیر ممالک کے سرمایہ داروں نے جنوبی امریکہ میں اقتدار حاصل کر لیا اور جب ان کی کمپنیاں اچھی طرح قائم ہو گئیں تو انھوں نے یہ حرکات شروع کیں کہ یہ اعلان کر دیا کہ ہماری مقررہ اجرت اور ہمارے معیّن کیے

[ل] شمالی امریکہ سے مطلب ریاستہائے متحدہ امریکہ ہے۔

ہوئے وقت کے مطابق جو مزدور کام کریں وہ کارخانہ میں رہیں باقی لوگ جو ہماری شرائط پر راضی نہ ہوں کارخانہ چھوڑدیں اور بہت سے بہانوں سے انھوں نے بھرتی کیئے ہوئے مزدوروں کو کارخانوں سے نکال دیا جو رہے ان کو اتنی قلیل اجرت ملتی تھی کہ وہ کام کرنے کے باوجود پیٹ بھر کر کھانا نہ کھا سکتے تھے۔ سرمایہ دار اپنے نفع کی خاطر دوسرے سرمایہ داروں کے کارخانوں کے مزدوروں میں یہ تحریک پھیلاتے تھے کہ ہم اپنے مزدوروں کو زیادہ اجرت دیتے ہیں اور تم کو بہت تھوڑا معاوضہ ملتا ہے اس کی وجہ سے شورشیں پھیلتی تھیں اور غریب و مزدوری اس میں پس جاتے تھے۔ سرمایہ داروں میں تجارتی مقابلہ ہوتا تھا جس میں سرمایہ داروں کو صرف "احکام" کی تکلیف گوارا کرنی پڑتی تھی مگر مزدوروں کی صحت و زندگی کالعدم نہیں تو بیکار ضرور ہوجاتی تھی غرضیکہ بیرونی اور ملکی سرمایہ داروں کی دوڑ میں مزدور پس جاتے تھے۔ اب بھی سرمایہ داروں کی حرص نفع گیری نے جنوبی امریکہ کو سازشوں اور بغاوتوں کا میدان بنا رکھا ہے۔ اور جنوبی امریکہ کی ریاستوں میں فسادوں نے بدامنی پھیلا رکھی ہے۔ اگرچہ بیرونی سرمایہ دار اب وہاں کمزور پڑ گئے ہیں۔ تاہم وہ اپنی حکومتوں کا ہاتھ اپنے سر پر دیکھ کر مقامی قوانین اور بندشوں کو توڑ کر ناجائز طور پر نفع حاصل کرتے ہیں۔ اور مزدوروں کو قلیل معاوضہ بھی بہت چیں بجبیں ہوکر دیتے ہیں۔ سب بے روزگاری، مفلسی اور

بے چینی عام ہے۔

(۲) جاپان

جاپان میں دو خاص گروہ ہیں پہلا بحری اور بری فوج کے آدمیوں پر مشتمل ہے اور دوسرے میں جاپان کی باقی سب آبادی ہے۔ جس میں ساہوکاران اور دکان کارخانہ وغیرہ سب شامل ہیں۔ جاپان نے گزشتہ دو صدیوں میں جس قدر ترقی کی ہے وہ فی الحقیقت قابل تعریف ہے اور دنیا سے چھپی ہوئی نہیں۔ جاپان کی ترقی کے دو خاص سبب ہیں ایک تو یہ کہ اہل جاپان کو اپنے وطن سے بہت زیادہ محبت ہے ہندوستانیوں کی ذہنیت کے بالکل خلاف جاپانیوں کا رجحان طبع حب وطن کی طرف بہت زیادہ ہے ہر جاپانی اپنے وطن، اپنی آزادی اور ملکی و قومی عزت کی خاطر اپنا سارا [illegible] اور اپنی جان قربان کر دینے کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہے دوسرے یہ کہ جاپانی زمانہ کے حالات و واقعات سے ناآشنا نہیں رہتے وہ انقلابات زمانہ سے دوچار ہوتے ہی اثر پذیر ہوتے ہیں اور زمانہ کی روش بدوش چلنا اپنی ترقی کے لئے سب سے زیادہ مفید چیز خیال کرتے ہیں جس قوم میں یہ دو باتیں ہوں گی وہ ہمیشہ خوشحال رہے گی۔ چونکہ جاپان میں فوجی روح بہت زیادہ ہے اس لئے وہاں کی حکومت کبھی بیشتر فوجی آدمیوں کے ہاتھ میں رہتی ہے جو

روپیہ کے لئے سرمایہ داروں سے ملے رہتے ہیں اور ان کے کہنے پر عمل کیا کرتے ہیں اس سبب سے وہاں کی حکومت فسطائیت کے اصولوں پر چلتی ہے۔ —— جاپان میں چاول کی کاشت، خرید و فروخت، ریشم کی نگرانی اور ریشم تیار کرکے اس کا لین دین، اور ہر قسم کی صنعت و حرفت کا کام بہت زیادہ ہوتا رہا ہے لیکن فوجی حکومت اور سرمایہ داروں میں سمجھوتہ رہتا ہے اس لئے فسطائی حکومت ہی جاپان میں بھی رہی ہے جو سرمایہ داروں سے ملی رہتی تھی اور ان کے موافق قوانین بناتی رہتی تھی، لہٰذا یہ لازمی نتیجہ ہوا کہ کاشتکاروں کی، ریشم پر مقرر کئے ہوئے مزدوروں اور کارخانوں کے مزدوروں کی حالت بہت خراب رہی۔

وہاں مزدوروں کو مزدوری اس قدر کم ملتی ہے کہ ایک وقت کا کھانا مہیا کرنا بھی ان کو مشکل ہوتا ہے۔ مزدوروں کے حقوق کی نگرانی بالکل نہیں ہوتی۔ سرمایہ دار، حکومت کو طرفدار دیکھ کر مزدوروں کو بہت زیادہ ستاتے، کم مزدوری دیتے اور ان سے بہت کام لیتے ہیں۔ لیکن حکومت کی کوئی خاص توجہ اس طرف مبذول نہیں۔

جاپان بھی انہیں ممالک میں سے ہے جن کی تجارت اور صنعت و حرفت ملکی رقبہ کے لحاظ سے بہت زیادہ ہے اور اپنی منڈیاں بنانے کے لئے دوسرے ممالک کو اپنا مقبوضہ بنا لیتے ہیں جاپان

کے بھی چین پر حملہ کرنے کے دو خاص مقاصد تھے۔

(۱) وہ چاہتا تھا کہ چین کو اپنے تجارتی مال اور مصنوعات وغیرہ کے لئے منڈی بنالے اور وہاں سے دوسرے ممالک کے سرمایہ داروں کو نکال کر اپنی تجارت کو فروغ دے۔

(۲) چین کی معدنیات اور ریلوں پر جاپان تصرف کرلے۔

سین کا قول ہے کہ "بادشاہ تاجدار ڈاکو ہوتے ہیں" یہ بالکل صحیح ہے۔ ڈاکو بھی دوسرے کے مال پر زبردستی قبضہ کرلیتا ہے اور بادشاہ بھی جبراً ایک آزاد ملک کو غلام بنا لیتا ہے اور ڈاکو کی سی ہوس بھی اس میں ہوتی ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ بقول شیخ سعدیؒ ہمیشہ "در حرص اقلیمے دگر" رہتا ہے۔ لیکن قزاق اور ڈاکو کو تو سماج سزا دیدیتا ہے افسوس کہ بادشاہ کا ہاتھ کوئی نہیں روکتا جو قزاق سے زیادہ جبر و استبداد اور لوٹ مار روا رکھتا ہے بہرحال دوسرے سامراجیوں کی طرح جاپان میں بھی ملکی مزدوروں اور پیشہ ور طبقوں پر ظلم ہوتا رہا ہے اور غیر ممالک و غیر اقوام کو بھی ستا ستا کر غلام بنانے کی کوشش کی جاتی رہی ہے تاکہ "درازدستیٔ ظالم دراز اور بھی ہو"۔

جاپان میں جنگ کی وجہ سے اقتصادی مشکلات بہت زیادہ آن پڑی ہیں جن کی وجہ سے کئی مرتبہ کیبنٹ نے استعفیٰ دیا اور نئی کیبنٹ (قانونی جماعت) منتخب ہوئی گو اس سے ملک کے

ہر حصہ پر اثر پڑتا رہا ہے لیکن مزدوروں اور ادنیٰ طبقہ کے لوگوں (پرولتاریٹ) کی تو حالت ناگفتہ بہ ہو گئی ہے۔ وہاں ٹیکس اس قدر بڑھ گیا ہے کہ جو ایک وقت غریبوں کو روکھی سوکھی مل جاتی تھی وہ بھی اب ختم ہو گئی اور پیشہ ور طبقوں کو کئی کئی فاقوں کے بعد ایک مرتبہ کھانا نصیب ہوتا ہے لیکن سرمایہ دار اب بھی سیر ہو کر کھاتا پیتا اور ان فروش پر چڑھتے لے کر پھرتا ہے جو غریبوں کے اوڑھنے کو بھی میسر نہیں ——— چینی مشرقی ریلوے پر جاپان کا تسلط رہا ہے اور چینی صوبوں اور دیگر ریلوں پر بھی جاپانی تصرف رہا ہے جس کی وجہ سے جاپانی حکومت کو کئی لاکھ پونڈ سالانہ کا منافع ہوتا رہا ہے۔

منظر مختلف ہیں، نام جدا جدا ہیں مگر ساری دنیا میں ہر جگہ یہی بات ایک ہی ہے۔ ملک کے اندر ایسا سخت تصادم ہے کہ انسانیت اور شرافت کی قسمت کا فیصلہ اس کے نتائج ہی سے وابستہ معلوم ہوتا ہے۔ اگر اصلیت پوچھئے تو غلامی، رذالت، رکاکت اور بہیمیت کو ترجیح دی جاتی ہے مگر ظاہر یہ کیا جاتا ہے کہ ہم شرافت آزادی اور امن کے پاکیزہ اصولوں کی خاطر جنگ کرتے رہے ہیں۔ آزاد ملکوں کو غلام بنانا مقصود ہوتا ہے لیکن بیان یہ کیا جاتا ہے کہ ہم اس ملک کے غیر مہذب لوگوں میں تعلیم و تہذیب کی تبلیغ چاہتے ہیں، ذاتی مقاصد کی گویا کوئی بنیاد ہی نہیں ہوتی۔ کہا یہ

جاتا ہے کہ ہم سب کو ایک نظر سے دیکھتے ہیں لیکن سرمایہ داروں کی پیٹھ ٹھونکی جاتی ہے اور مزدوروں کی بات سننا بھی گوارا نہیں ہوتا۔ سرمایہ داروں سے معاہدے اور سمجھوتے ہوتے ہیں مگر غریبوں، مفلسوں، بے روزگاروں، فاقہ کشوں، بے کسوں، کسانوں مزدوروں اور ادنیٰ طبقہ کے لوگوں کا خون چوس کر صرف ہڈیوں کی مالا چھوڑ دی جاتی ہے۔ آہ! افسوس!! اہل زمانہ! تم کس سبب سے سرمایہ دار فسطائی ممالک کو اچھا جانتے ہو۔ تمام سرمایہ دار ممالک فسطائیت کے اصولوں پر قائم ہیں اور فسطائیت صریحی ظلم ہے۔ اس کے اصول گندے اور ناقابل قبول ہیں۔ اس تحریک میں امیروں کے لئے بہت اچھی اچھی جگہیں ہیں لیکن غریبوں اور مفلسوں کا نام لینا اس میں پاپ سمجھا جاتا ہے۔ ؎

فریبِ کشمکشِ عقل دیدنی دارد
کہ میرِ قافلہ و ذوقِ رہزنی دارد

(علامہ اقبالؒ)

حصّہ سوم

ہندوستان اور سرمایہ داری

حصّہ سوم

ہندوستان اور سرمایہ داری

باب اوّل

ہندوستان کا کسان

ہندوستان ایک ایسے سیاسی اور اقتصادی دور سے گزر رہا ہے جو صرف نازک ہی نہیں بلکہ اپنی مجموعی حیثیت سے بہت زیادہ خطرناک ہے۔ اجنبی سیادت، فرقہ وارانہ فساد، اتحاد و یگانگت کا فقدان، تنگ نظری، سرمایہ داروں کی حرص نفع گیری۔ بیرونی سرمایہ داروں کی زیادتیاں، بے روزگاری، مفلسی، تعصب، محصول، زیادہ آبادی کا سیاست سے علیحدہ رہنا، جہالت اور "خواجہ پرستی" وغیرہ بذات خود ہزاروں خرابیوں کی جڑیں ہیں مگر یہ سب ہندوستان کو گھیرے ہوئے اور ہزاروں مصیبتوں میں پھانسے ہوئے ہیں یہاں کے اعلیٰ طبقوں اور تعلیم یافتہ لوگوں کی تجھی حالت

ناقابل اطمینان ہے تو مزدوروں، کسانوں اور ادنیٰ طبقہ کے لوگوں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ آزاد ممالک کی حالت سرمایہ داری کی وجہ سے ایسی ہے جیسے کسی کو زنجیروں سے جکڑ کر باندھ دیا جائے اور کہا جائے کہ تم بالکل آزاد ہو جو چاہو کرو لیکن ہندوستان کی حالت، جو ایک غلام ملک ہے، بالکل ایسی ہے جیسے کسی کو زنجیروں سے خوب کس کر باندھ دیا جائے، آہنی طوق گلے میں ڈال دیا جائے۔ ایک جال میں لپیٹ کر کسی مکان میں پھینک دیا جائے جس کے چاروں طرف سنگین پہرہ ہو اور پھر یہ کہہ دیا جائے کہ "تم آزاد ہو" جو جی چاہے کرو۔ بہرحال اس وقت ہمارا ملک ایسی مشکلات میں پڑا ہوا ہے جو ہر سوجھ بوجھ کے انسان کو رلا دینے اور تڑپا دینے کے لئے کافی ہیں۔ لیکن اس وقت ہمارا نقطۂ نظر سیاسی سے زیادہ معاشی ہے اس لئے ہندوستان کی معاشی حالت کا ذکر کریں گے اور اسی سلسلہ میں معاشرتی اور سیاسی مشکلات پر مجملاً بحث کریں گے۔

اس وقت ہندوستان کے زیادہ حصوں میں کاشتکاری ہوتی ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ہندوستان ایک زراعتی ملک ہے — ہندوستان کی آبادی کا ۸۸٫۲ حصہ گاؤں میں رہتا اور کھیتی باڑی کرتا ہے اور دیگر ممالک کے مقابلہ میں یہاں کی صنعت و حرفت کچھ بھی نہیں اس سے یہ صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان

کسانوں کا ملک ہے اس لئے ہندوستان کی مرفہ الحالی کسانوں کی خوشحالی پر منحصر ہے مگر تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے کسانوں کی حالت روز بروز خراب ہوتی جا رہی ہے اور جب سے زرعی اشیاء کی قیمت گرنا شروع ہوئی تب سے تو کسانوں کی حالت بہت ابتر ہو گئی ہے۔ اور چونکہ مجموعی طور سے ملک زراعتی ہے اس لئے کسان کی خراب حالت کا بہت گہرا اثر تجارت و صنعت و حرفت پر بھی پڑا ہے جس سے ملک کو نقصان عظیم برداشت کرنا پڑ رہا ہے اور ملک کا افلاس بڑھتا جاتا ہے۔

ہندوستان کی زراعت کا بارش پر سب سے زیادہ دار و مدار ہے بارش بالکل نہ ہو تو فصلیں جل جاتی ہیں اور ایسا ہوتا ہی رہتا ہے، اگر بارش حد سے زیادہ ہو جاتی ہے تو فصلیں بہہ جاتی ہیں — ایسا گاہے گاہے ہو جاتا ہے، لیکن اگر بارش اعتدال کے ساتھ بہت اچھی ہو جائے تو پیداوار بھی زیادہ اور اچھے قسم کی ہوتی ہے۔ کسانوں، جاگیرداروں اور زمینداروں کو سرکاری مال گزاری ادا کرنے میں آسانی ہوتی ہے، ان کی قوت خرید بڑھ جاتی ہے۔ زرعی اجناس مثلاً گیہوں، چاول، جوٹ، روئی وغیرہ آسانی اور کثرت سے برآمد کئے جاتے ہیں سامان کی درآمد بھی کثیر مقدار میں ہوتی ہے اس درآمد و برآمد اور خرید و فروخت سے نہ صرف تجارت و صنعت و حرفت کو ترقی ہوتی ہے بلکہ ذرائع آمد و رفت میں بھی قوت ارتقا پیدا ہوتی ہے یعنی موٹر و

گاڑیوں اور ریلوں وغیرہ کی تعداد اور آمدنی بڑھ جاتی ہے جس سے
افلاس اور بے روزگاری کم ہو جاتی ہے۔ یہاں ایک خاص بات
قابلِ تحریر ہے، وہ یہ کہ ایسی حالت میں درآمد کے سامان پر محصول
ناقابلِ برداشت لگایا جاتا ہے۔ اسی محصول کا خیال کر کے درآمد
و برآمد کا کام کرنے والا سرمایہ دار، زمینداروں سے ارزاں قیمت
پر لین دین کرنا چاہتا ہے۔ زمیندار کو جب ادھر کم نفع کی امید ہوتی ہے
تو وہ اس کمی کو کسان پر ظلم کر کے پوری کر لیتا ہے۔ لوگوں کی زیادہ
آمدنی پر محصول عائد کیا جاتا ہے، ریلوں کا کرایہ بڑھا دیا جاتا ہے اس
سے حکومت کو خوب آمدنی ہوتی ہے اور سرمایہ دار و زمیندار اپنی اپنی
کمی پوری کر لیتے ہیں اس کا نتیجہ لازمی طور پر یہ ہوتا ہے کہ کسان
پر سارا بار آ کر پڑ جاتا ہے جس سے اس کی حالت بہت خراب ہو جاتی
ہے۔ اور ہندوستان کے کسان کو پیداوار اچھی ہونے پر بھی بہت
نقصان اور ظلم برداشت کرنا پڑتا ہے اور فصلیں خراب ہو جاتی
ہیں تو اس کی موت ہی آ جاتی ہے۔ زمیندار اس سے کہتا ہے کہ میں
کچھ نہیں جانتا فصل ہو یا نہ ہو مجھے تو میرا روپیہ پورا پورا دے۔
حکومت زمینداروں سے لے کر خوش ہو جاتی ہے زمیندار کا پیٹ
غریب کسان کو قرض لے کر بھرنا پڑتا ہے۔ فصل اچھی ہو یا خراب
کسان کے لئے ہر طرح خرابی ہے۔

معاشیات کے ایک ماہر نے بتایا ہے کہ گزشتہ سو سال سے

دنیا کی غذا جس قیمت پر فراہم کی جا رہی ہے وہ لاگت سے (اگر لاگت میں اس کے تمام ضروری عناصر کو شامل کیا جائے) کم ہے۔ کم ازکم ہندوستان کی زراعت پر تو یہ قول بالکل صادق آتا ہے اور اس طرح کہ اس کی صداقت میں کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی ——
ہندوستان کے کسان کو زراعت کے بارے میں نقصان ہی نقصان ہے۔ برسات غیر یقینی ہوتی ہے۔ مویشی کثرت سے مرتے ہیں قیمتوں میں تبدیلی کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ ہر طبقہ اپنے سے نیچے طبقہ سے نفع حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور سب کے بعد کسان کا نمبر آتا ہے اس لئے یہ بہت خسارہ میں رہتا ہے اور فصلیں خراب ہونے پر اور اچھی ہونے پر ہر حالت میں ہندوستان کا کسان خسارہ ہی خسارہ میں رہتا ہے۔

زراعت میں اچھی فصلیں حاصل کرنے کے یہ ذرائع ہوتے ہیں :-

(۱) زمین زیادہ ہو اور اس کا انتظام اچھی طرح کیا جائے۔

(۲) مویشی تندرست ہوں۔

(۳) بارش خوب ہو۔

(۴) محنت اور نگرانی کی سخت ضرورت ہے

(۵) اوزار اچھے ہوں اور کیمیاوی کھاد استعمال کی جائے۔

(۶) سرمایہ کافی ہو۔ ہر سال کی فصل کے لئے ایک برس پہلے سے سرمایہ اپنے قبضہ میں ہونا چاہیے۔

(۴) فصل کو قریب سے قریب بازار میں لے جا کر فروخت کرنے کے لئے ذرائع آمد و رفت بہتر و سہل ہوں۔

لیکن بدقسمتی سے ہندوستان کے کسان کو ان میں سے بہت سی سہولتیں میسر نہیں اور جو ہیں وہ بھی ناقص ہیں۔

ہندوستان کا کسان جاگیرداری اور زمینداری سے بہت زیادہ پریشان ہے۔ جاگیرداروں اور زمینداروں پر حکومت کا زور پڑتا ہے۔ ان سے حکومت و سرمایہ دار نفع حاصل کرتے ہیں اور وہ اپنے منافع کے لئے کسان کو ستاتے ہیں۔ ان کی بلا سے کسان کو کچھ پیدا ہو یا نہ ہو انہیں اپنا پیٹ بھرنے اور روپیہ حاصل کرنے سے مطلب۔ ہم نے کسانوں کا دوسروں سے تعلق ظاہر کر کے یہ بتا دیا کہ ان کا سب سے نیچا طبقہ ہونے کی وجہ سے سب میں زیادہ وہی کچلے جاتے ہیں مگر اس کے علاوہ روزی کمانے کا اور کوئی طریقہ ہی انہیں معلوم نہیں اس لئے باوجود پے در پے نقصانات کے وہ زراعت کو نہیں چھوڑتے اور جاگیردار و زمینداری سے ان کا تعلق بند ہو جاتا ہے۔ اب ہم کسان کا زیادہ گہرا مطالعہ کریں یعنی اس کی زندگی، ذرائع حصول آمدنی اور زراعت کے طریقہ کی بابت مزید معلومات بہم پہنچائیں۔

بارش، کھاد اور زمین وغیرہ

ہندوستان کے کسان بالکل جاہل ہوتے ہیں۔ انکی جہالت

کی وجہ سے ان کے لئے ایک اصطلاحی نام "اُجڈ" یا "اُجلڈ" پڑ گیا
ہے۔ جہالت کی وجہ سے وہ بہت زیادہ متعصب اور تنگ نظر
ہوتے ہیں۔ باوجود اصرار و خوشامد کے ہندوستان کا دہقان
نئے اوزار اور مشینیں وغیرہ استعمال نہیں کرتا۔ وہ اسی ہل سے کام
لیتا ہے جو ہزاروں برس پہلے اس کے آباؤ اجداد استعمال کیا کرتے
تھے۔ بڑی مشکل سے ضلع حصار اور پنجاب کے دوسرے علاقوں
اور ضلع جات میں اب قیمتی اور جلد کام کرنے والے "مسٹن" اور
"راجہ" ہل استعمال ہونا شروع ہوئے ہیں۔ کچھ تو حکومت کے
دباؤ اور کچھ لوگوں کے سمجھانے بجھانے سے یہ اصلاح واقع ہوئی
ہے۔

جب وہ نئے اور جلد کام کرنے والے اوزار اور کیمیاوی اجزاء کی
کھادیں استعمال کرنے سے انکار کرتا ہے اور ہزاروں برس کے پرانے
قسم کے ہلوں سے کھیتی کرتا ہے اس سے نتیجہ ہوتا ہے کہ اس کا
کام دیر میں ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ زیادہ زمین کا اچھی طرح انتظام
نہیں کر سکتا اور مقررہ وقت تک زیادہ زمین کو فصلوں کے لئے
تیار نہیں کر سکتا۔ انگلستان کے کسان کے پاس ۳۰۰ ایکڑ سے
لے کر ۶۰۰ ایکڑ تک زمین ہوتی ہے اور وہ اس کا بہت اچھی طرح
انتظام کرتا ہے مگر ہندوستان کے دہقان کے پاس اوسطاً پانچ
ایکڑ زمین ہوتی ہے اور اسی لئے تھوڑی آمدنی ہوتی ہے جس کو وہ

"پرانے اور سست" ہلوں سے بہت دیر میں تیار کرتا ہے۔ دوسرے یہ کہ ہندی کاشتکار کی جوت میں جو رقبہ آج ہے اس پر صدیوں سے کاشت کا سلسلہ جاری ہے اس لئے زمین کی قدرتی زرخیزی سے جتنا کام بھی لیا جا سکتا تھا وہ لیا جا چکا ہے۔ اب اس کی زرخیزی کو کھاد کے ذریعے سے بڑھایا جا سکتا ہے مگر کسان زمین میں یا تو کھاد اس لئے نہیں دیتے کہ وہ ان کی اپنی نہیں ہے یا اس لئے کہ گوبر جو سب سے زیادہ سستا کھاد ہے وہ ایندھن کے طور پر استعمال کر لیا جاتا ہے۔

بارش کا تلون مشہور ہے اگر ایک سال خشک سالی ہوتی ہے تو دوسرے سال سیلاب آجاتے ہیں انتظام آب پاشی سے اس کی جزوی طور پر تلافی ہوتی ہے، حکومت نے تقریباً ایک ارب پچاس کروڑ روپیہ تین کروڑ ایکڑ غیر مزروعہ زمین کو زیر کاشت لانے کے لئے صرف کیا ہے۔ لیکن آب پاشی شدہ رقبہ کا تناسب اب بھی بہت کم ہے۔ پھر ایک طرف تو برسات مشتبہ اور غیر یقینی ہے دوسری طرف اولے، پالے، جنگلی جانوروں، چوہوں، ٹڈیوں، جوؤں، کیڑوں (MOTHS) اور لوگوں کے چھٹے ہوئے جانوروں سے پیداوار کو نقصان پہنچتا رہتا ہے۔ تنگ نظری کی وجہ سے اوزار پرانے استعمال کئے جاتے ہیں۔ غلے کی گہائی یا ہاتھ سے کی جاتی ہے یا لکڑی سے پیٹ کر یا بیلوں کے کھروں کے نیچے روند کر علاوہ

تنگ نظری اور جہالت کے ایک بات دراصل یہ بھی ہے کہ جدید آلات کے خریدنے کے لیے کسان کے پاس روپیہ بھی نہیں ہوتا۔ مویشیوں کے پالنے اور نسل لینے کے لئے کوئی خاص انتظام نہیں۔ بیمار مویشی اور تندرست مویشی کو ساتھ رکھا جاتا ہے جس سے تندرست مویشیوں میں بھی امراض و وبائیں پھیلتی رہتی ہیں۔ پھر فصل کٹ جانے کے بعد کھیتوں کو عرصے تک خالی چھوڑ دیا جاتا ہے۔ بے کار مویشیوں کو باپ اور بیٹیا سمجھ کر نہیں مارا جاتا نتیجہ یہ ہے کہ نسلیں خراب ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ میں مویشی کا وزن اوسطاً چودہ سو پونڈ ہوتا ہے مگر ہمارے ہندوستان میں وزن کا معیار سات سو پچاس پونڈ ہے اور وسط دیکھا جائے تو چار سو پچاس پونڈ ہی ہے۔ مگر زیادہ تر بہت کم وزن کی اور کمزور مویشی ہے

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کسان کی مشکلوں کے اسباب ذرائع حصول پیداوار کے نقائص ہیں اور اس کا ایک ہی سبب مختصراً بتایا جائے تو وہ (اگرچہ بعض مشکلات اس نے خود پیدا کر رکھی ہیں) پیداوار کی کمی ہے۔ ہندوستان میں فی ایکڑ صرف ۱۲ بشل گیہوں پیدا ہوتا ہے حالانکہ انگلستان میں گیہوں کی پیداوار ۳۱ بشل اور ڈنمارک میں ۴۹ بشل فی ایکڑ ہے۔ ہندوستان میں فی ایکڑ ۹۰۰ پونڈ چاول پیدا ہوتا ہے لیکن امریکہ میں ایک ہزار نوے اور جاپان میں دو ہزار ستر پونڈ۔ ہندوستان میں فی ایکڑ ۸۹ پونڈ روئی پیدا ہوتی ہے لیکن امریکہ

میں ۱۴۱ پونڈ اور مصر میں ۳۵۳ پونڈ۔ ہندوستان کے ایک ماہر معاشیات نے تخمینہ کیا ہے کہ برطانوی ہندوستان میں پیداوار کا اوسط فی ایکڑ جس میں آب پاشی شدہ فصلیں بھی شامل ہیں جاپان کے مقابلہ میں صرف ایک ساری ہے۔[1]

باوجود پیداوار کی اس کمی اور ان مشکلات کے کھانے کی تعداد ۴۰ کروڑ ہے اور ان میں سے ۷۵ فیصدی کو زراعت کے پیشے ہی سے اپنی زندگی کا گذارا کرنا ہوتا ہے۔ چند سال گزرے ایک ماہر زراعت نے دکن کے ایک گاؤں کی حالت کا مطالعہ کر کے دریافت کیا تھا کہ زمین کے مالکوں میں صرف آٹھ خاندان ایسے تھے جنہیں اپنی زمین سے کافی آمدنی حاصل ہوتی تھی۔ ۲۸ ایسے تھے جو زراعت کے علاوہ دوسرے ذرائع سے اپنی آمدنی میں اضافہ کر کے محض گذارے کے لائق کما رہے تھے اور ۴۶ خاندان ایسے تھے جو سخت افلاس میں بسر کر رہے تھے۔ ان مہاراجوں اور لکھ پتیوں کے باوجود جو دنیا کے اسٹیج پر موروں کی طرح دم پھیلا کر اپنے اور اپنے پروں کی چمک دکھلاتے ہیں، ہندوستان غریبوں کا ملک ہے۔

کرنل میک کریسن نے جب ملک کی آبادی کے خاص خاص گروہوں مثلاً مرہٹوں، پٹھانوں، سکھوں، گورکھوں، بنگالیوں اور مدراسیوں کی غذا کے بارے میں تحقیقات کی تو عجیب دلکش مکاشفات ہوئے

---

[1] ص ۶

چو کسی طرح بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ جب سکھوں کی غذا چوہوں کو کھلائی گئی تو وہ تندرست، چاق و چوبند اور امن پسند بن گئے مگر جن چوہوں نے بنگالیوں کی غذا کھائی ان کی تندرستی خراب اور ان کا مزاج سخت اشتعال پذیر ہو گیا۔ سابق وائسرائے لارڈ لن لتھگو کا اظہار ہے کہ انہیں تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ صرف ۲۰ فیصدی آبادی کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسے کافی غذا ملتی ہے۔

کسان کی گھریلو زندگی اور زمینداری

مجھے اکثر گاؤں میں رہنے کا اتفاق ہوا ہے اور کسانوں سے ان کی کھیتی وغیرہ کی بابت استفسار کرنے کا موقع بھی حاصل ہوا میں نے کسانوں کی زندگی اور ان کے رہن سہن کے طریقوں کا خود مشاہدہ کیا ہے اس لئے اس کی بابت مجھے تھوڑا سا تجربہ ہے۔ ہندوستان کے کسانوں میں صرف لسانی فرق ہے اور صرف مقامی رسوم کا ورنہ عام طور سے ان کے رسم و رواج ان کے رہنے سہنے کے طریقے اور گذر بسر کے سلیقے قریب قریب ایک ہی ہیں۔

ہندوستان کے گاؤں (جو شہروں سے کئی گنا زیادہ ہیں) اس طرح آباد ہیں کہ کسانوں کے گھر، غیر منظم طریقے سے بنے ہوئے ہیں۔ جس نے جہاں چاہا کچا مکان بنا لیا، کوئی سلسلہ قائم نہیں ہے۔ ان گھروں میں صرف کھانا کھانے اور دوپہر کے وقت بیٹھ کر چلم پینے

کے لئے ایک سائبان بہت نیچے چھپر کا ہوتا ہے جو مکان کے دوسرے حصوں سے زیادہ صاف نظر آتا ہے ورنہ زیادہ تر گوبر، مویشی کا پیشاب، کیچڑ اور غلیظ ہر جگہ دکھائی دیتا ہے۔ مکان بہت نیچے اور بھیچے بھیچے ہوتے ہیں جن کو شہری اصطلاحاً "بھٹنخ" بولتے ہیں۔ عورتیں جاہل ہوتی ہیں اس لئے صفائی اور بچوں کی صحت کا خیال بالکل نہیں رکھا جاتا۔ گھروں کے چاروں طرف کیچڑ جمع رہتا ہے جس سے بیماریاں پھیلتی رہتی ہیں۔ بیمار ہو کر علاج نہیں کرایا جاتا بلکہ انسان یا مویشی کے بیمار پڑ جانے پر گاؤں کے "پیر صاحب" یا "مہاراج" کے پاس جا کر تعویذ یا منتر لکھوا لیا جاتا ہے یا آگ سے داغ دیا جاتا ہے۔ جب ان سے صفائی و صحت کا خیال اور جدید اصولوں کا لحاظ رکھنے کے لئے کہا جاتا ہے تو جواب ملتا ہے کہ "کیا ہوگا ایسا کرنے سے؟ جو جس کی قسمت میں لکھا ہے وہی ہو سکتا ہے اور قسمت کا لکھا ہرگز نہیں ٹالا جا سکتا ہم جس حالت میں ہیں بہتر ہیں ہمیں اپنی ہی حالت پر چھوڑ دو" ان کا قول یہ ہے کہ "دنیا کے ان جھگڑوں میں کبھی نہ پڑے کھائے جائے اور پیئے جائے اور خوش رہے کیونکہ کل ہمیں مرنا ہے"

اس جہالت، گندگی، تنگ نظری اور ابتری کا صرف یہ علاج ہو سکتا ہے کہ :-

(۱) تعلیم لازمی کر دی جائے۔
(۲) ہر گاؤں میں گھر نئے سرے سے نہیں ورنہ کم از کم صفائی پرانے

ہی گھروں کی روزانہ کی جائے۔

(۳) غلیظ سب روزانہ گاڑیوں میں بھر کر گاؤں سے اس قدر دور لے جا کر کہ صحت پر کوئی اثر نہ پڑے اور گڑھے کھدوا کر گاڑ دیا جایا کرے جو کھاد کے کام آسکتا ہے۔

(۴) بچوں کے کھیلنے کے لیے کھلے اور صاف میدان میں تفریح گاہیں اور پارک بنانا چاہئیں۔ انسانوں اور حیوانات کے لئے شفا خانے بنوائے جائیں۔

(۵) نئے اوزار استعمال کرانا چاہئیں اور حکومت کو مجبور کیا جائے کہ گاؤں والوں کے لئے نئے آلات فراہم کرے۔

(۶) قصبوں کے اندر انہیں موجودہ تہذیب گاؤں میں قائم کرنا سکھایا جائے کیونکہ کام سے تھک جانے کی وجہ سے کسان قصوں وہ لطف کی باتوں کو بہت شوق سے سنتا ہے۔

(۷) آب پاشی کے ذرائع بڑھانا چاہیئے۔

(۸) کمزور اور مریض مویشیوں کو مار ڈالنا چاہئے اور نئی تندرست مویشیوں کو گھروں سے الگ جانوروں کے باڑے میں رکھنا چاہیئے بہترین مویشی حاصل کر کے اس سے اچھی نسل لینا چاہئے اور اس کو بڑھانا چاہئے۔ اپنے پاس کافی مویشی ہونے کے بعد دوسرے کو دیدیا جائے تاکہ وہ اسی مویشی سے خود بھی نسل حاصل کرے اس طرح سارے ملک کی مویشی کی نسل اچھی کرنی چاہئے

جس کو بہت احتیاط سے رکھا جائے - مویشی کی نگرانی پر کسان کو اس طرح مجبور کیا جا سکتا ہے کہ اس سے یہ کہا جائے کہ دودھ کی تعداد اور مویشی کے وزن کا رجسٹر اپنے پاس رکھا جائے سب سے زیادہ دودھ دینے والی اور سب سے زیادہ تندرست اور وزنی مویشیوں کو انعام ملے گا اور پھر سال میں ایک مرتبہ انعام بھی دیا جائے -

اگر زمینداری اور جاگیرداری کو مٹا دیا جائے تو بہت اچھا ہے - اس کے بجائے یہ ہونا چاہیئے کہ حکومت سے قرض روپیہ دلایا جائے اور کسان کو منافع ہونے پر وہ قرض کسان سے لے لیا جائے - اس طریقہ سے ہندوستان کا افلاس دور ہو سکتا ہے -

اب سوال یہ آجاتا ہے کہ کسان کو ان سب باتوں کے قبول کرنے پر مجبور کیسے کیا جائے اس کا بھی ایک طریقہ ہے وہ یہ کہ کسان کے ساتھ گاؤں میں رہ کر اس کو ایسی باتیں بتائی جائیں جو آسان ہوں مگر ان پر عمل کرنے سے کسان کو بہت زیادہ فائدہ ہو - اس طرح کسان کے دل کو اپنے ہاتھ میں لے کر اسکو اپنا بنا لیا جائے اور خوش حال کسانوں کی مثالیں دے دے کر اسے نئی باتیں بتائی جائیں وہ ضرور ان پر عمل کرے گا - کیونکہ انسان سے اگر نرمی محبت اور خلوص سے سخت سا سخت کام لیا جائے تو وہ اس کے لئے تیار رہو گا بہر حال پہلے کسان کے ساتھ ہمدردی کی جائے اور اس سے دوستانہ

تعلقات پیدا کر کے اس کو سب اچھی باتیں سیکھنے پر مجبور کیا جائے وہ یقیناً اس کو قبول کرے گا۔ اس طرح ہمارے ملک کی ۸۰ فیصدی آبادی کی بلکہ اس سے بھی زیادہ کی حالت سدھر جائے گی۔

آجکل تو جیسے اوپر بیان کیا ہے، ہندوستان کے کسان کی معاشی اور معاشرتی حالت بہت خراب ہے۔

ساہوکار و زمیندار

کسان کی جو موجودہ حالت ہے وہ درحقیقت ساہوکار رہا ہے۔ اسے نہ صرف پیداوار کی کمی اور ذرائع حصول پیداوار کے نقائص کا شکار ہونا پڑتا ہے۔ بلکہ زمیندار، ساہوکار اور سرکاری ملازم سب اس کی جان کے لاگو بنے رہتے ہیں۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا کہ چاہے فصل اچھی ہو یا خراب زمیندار یہی کہتا ہے کہ میری زمین جوتتے ہو میرا لگان دو۔ بدو میں نہیں جانتا تمہاری حالت کیسی بھی ہو۔ کسان کو زرعی اشیا کی قیمتیں گری رہنے کی وجہ سے کھانے ہی کو نہیں ملتا۔ وہ ایک فصل پہلے کی آمدنی قرض، لگان اور پٹواریوں کی رشوت میں ضائع کر کے ہاتھ جھاڑ کر بیٹھتا ہے اس کے پاس روپیہ کہاں سے آئے مجبوراً وہ معاملہ ساہوکار کی طرف رجوع کرتا ہے۔ جیسا کہ ہی ساہوکار سمجھتا ہے کہ عمر بھر کے لئے یہ کسان اس کا مقروض رہے گا تو اسے اپنے بہی کھاتوں میں جعل سازی کرنے میں کوئی تامل نہیں

ہوتا پھر سرکاری ملازم محاصل وصول کرنے کے سلسلے میں کسان کے گھر کی چیزیں بھی قرق کر لیتے ہیں۔

اسی طرح ہندوستان کا کسان ہر سال قرض لیتا ہے (کیونکہ اس کے پاس سرمایہ بالکل نہیں ہوتا) مگر فصل ہوتے ہی اسے سرکاری ملازموں، زمینداروں، قرض خواہ مکار ساہوکاروں کا شکار بننا پڑتا ہے، جاہل، مسکین اور غریب ہندی کسان ہر سال اسی طرح فصل اچھی ہو یا خراب سرکاری ملازموں، ساہوکاروں اور زمیندار جیسے ہتھکنڈوں کے ہاتھوں لوٹ لیا جاتا ہے اور وہ "فقیر" ہو جاتا ہے اور ہمیشہ قرضہ، لگان، محصول، قرقی کی مصیبت میں پھنسا رہتا ہے اور اسے کھانے کو بھی نصیب نہیں ہوتا درآں حالیکہ اسی کی جان توڑ کوشش کا یہ نتیجہ ہے کہ سب پیٹ بھر کر مونچھوں پر تاؤ دیتے اور اکڑ کر چلتے ہیں۔

کسان کی جہالت اور ناواقفیت اسکو نااندیش بنا دیتی ہے اس لئے اس کی زندگی اپنے ان دوست نما دشمنوں کے رحم و کرم پر ہوتی ہے اسے سرکاری چپراسیوں، محرروں اور پٹواریوں کو، جن کی تنخوا ہیں تھوڑی ہوتی ہیں، رشوتیں دینا پڑتی ہیں۔ ان چھوٹے ملازمین پر بڑے بڑے افسران اور "حکام متمدن" ہوتے ہیں جن کو اس لوٹ کے مال میں سے حصہ ملتا رہتا ہے اور اس طرح غریب کسان کو اپنا مال بچانے، جیل جانے اور محصول متدارک

وقت پہ ادا نہ کرنے کے لئے سرکاری ملازمین کو آسانی سے ٹھنڈا رکھنا پڑتا ہے۔

ساہوکار کی "معمولی شرح سود" بھی قرضہ کے لئے "صرف" ۲۵ فیصدی سے ۷۵ فیصدی تک ہوتی ہے قرضہ چکانے کے لئے اپنے خون اور گاڑھے پسینے سے سینچی ہوئی فصلیں ساہوکار کے ہاتھ کسان کو سستے داموں فروخت کرنا پڑتی ہیں جس کی وجہ سے اسے مزید نقصان ہوتا ہے۔

کسان کی فصل خراب ہو جائے تب بھی اسے زمیندار، ساہوکار، افسران سرکاری کو روپیہ دینا پڑتا ہے جس کے لئے اسے روپیہ قرض لینا پڑتا ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہی رہتا ہے۔ اب ذرا اس کے "روشن پہلو" پر نظر ڈالیے تو وہ بھی تاریک ہی ہے یعنی اگر کسان زمین کی حیثیت بڑھا دے، زراعت کو ترقی دے، فصل اچھی پیدا کرے یا جب کسانوں کی آبادی میں اضافہ ہو تو ان سب باتوں کا نتیجہ بھی اس کو نہیں ملتا۔ کیونکہ زمیندار لگان بڑھا دیتا ہے۔ ساہوکاروں کے بہی کھاتوں نے اس قدر ظلم پھیلا رکھا ہے کہ خود کاشت کرنے والوں ہی کے ہاتھ سے زمینیں تیزی سے نکلی جا رہی ہیں۔ کسان قرض لی ہوئی رقم (زر اصل) ادا کر دیتا ہے لیکن پھر بھی اس پر (کل زر اصل ادا کر دینے کے بعد بھی) اتنا رہتا ہے کہ تین مرتبہ زر اصل ادا کر دے تو بھی وہ باقی رہے۔ حکومت کا محصول اسے الگ تنگ کئے رہتا ہے۔

زمین اور کسان کے معاملات کی اصلاح دورِ حاضر کا بہت ضروری مسئلہ ہے اور کم از کم ہندوستان کے لئے تو یہ سب سے پہلا اور سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے لیکن حکومت کو اس سے خاص دلچسپی نہیں ہے اسے تو چو طرف سے اپنا خزانہ بھرنے کی فکر لاحق رہتی ہے چنانچہ لارڈ منٹن کے اس جملہ سے دہقان کی پیداوار اور حکومت کے نظریہ کا حال معلوم ہو جائے گا۔ "جس سال فصل اچھی ہو اور قیمتیں اصلی حالت پر ہوں تو سرکار مالا مال ہو جاتی ہے، حکومت کا دل ہر شعبہ میں بچت دیکھ کر مسرت سے معمور ہو جاتا ہے" اور حکومت کو اصل میں اس طرف دلچسپی ہونا بھی نہیں چاہئے کیونکہ مالدار لوگوں کو اقتدار حاصل ہے اور ان سے بگاڑنا مصلحت کے خلاف ہے۔"

نتیجہ یہ ہے کہ اتنی محنت و جانفشانی کرنے کے بعد دھوپ اور لو کے تھپیڑوں کا مقابلہ کرکے اور آرام کا نام بھی نہ لے کر عرق ریزی کرنے پر کچھ نہ ملنے سے کسان بہت پژمردہ سے رہنے لگے ہیں اور وہ تقدیر پرست بن گئے ہیں اس لئے جب کبھی کوئی شادی یا موت واقع ہوتی ہے تو وہ ان تقریبوں کو غنیمت سمجھ کر نہایت بے دردی سے روپیہ خرچ کرتے ہیں اپنی ذاتی پونجی نہ ہونے پر قرض کے اژدہے کے منہ میں گھسنا پڑتا ہے اور عموماً بیشتر ایماندار و محنتی کسانوں کی تباہی یہیں سے شروع ہوتی ہے اور اس طرح ہزاروں مصیبتوں میں پھنس جاتے ہیں۔ آخر

میں ہر طرف سے ہار کر انہیں گھر بار چھوڑ کر صنعتی شہروں کے کارخانوں میں تلاش معاش کے لئے بھرتی ہونا پڑتا ہے۔

ان تمام باتوں سے کسان کی کارکردگی میں کمی پیدا ہو جاتی ہے۔ صحت خراب ہو جاتی ہے۔ امراض کے دفع کرنے اور برداشت کرنے کی سہارا اور قوت باقی نہیں رہتی۔ نسل خراب ہو جاتی ہے پژمردگی اور بےکسی چھا جاتی ہے۔ چہرہ پر اضمحلال مستقل طور پر رہتا ہے اور ممکن نہیں کہ دل میں درد اور آنکھوں میں اشک نہ رہتے ہوں۔ ملیریا، کالا بخار، کھانسی، پیچش، تپ دق جیسے موذی امراض اور پلیگ، ہیضہ، چیچک وغیرہ جیسی بے پناہ بلائیں، وبائیں ان غریبوں کو گھیرے رہتی ہیں اگر حکومت ہندوستانیوں کی ہو تو کسان اور مزدوروں کا، ہموطن ہونے کی وجہ سے، درد بھی دل میں پیدا ہو۔ اغیار اور اغیار دوستوں کے دل میں درد کہاں ؟!

ایک ضروری مرحلہ

دیہات کا دوسرا اہم مسئلہ بے کاری ہے —— کسان تین چار مہینے بیکار رہتا ہے علاوہ اس کے زمین کو ہزاروں ایسے لوگوں کی پرورش کرنا پڑتی ہے جو بالکل بیکار رہتے ہیں اور زائد آبادی میں سمجھے جاتے ہیں۔ اس زائد آبادی کو پہلے دیہاتی صنعتوں میں لگا دیا جاتا تھا لیکن جب سے برطانیہ اور جاپان نے اپنا مال

ہندوستان میں بھیجنا شروع کیا تمام مقامی صنعتوں کا خاتمہ ہو گیا صرف چند صنعتیں مثلاً پارچہ بافی لوہے اور فولاد اور شکر سازی کے کارخانے قائم ہیں لیکن ان کا وجود محض محاصل کی وجہ سے قائم ہے دوسرے یہ بات بھی ہے کہ ان سے دیہات کے لاکھوں بیروزگاروں کے لئے کام نہیں نکل سکتا اور چونکہ سرکاری پالیسی یہ معلوم ہوتی ہے کہ خواہ لوگوں کو فائدہ ہو یا نقصان ہندوستان کو زراعتی ملک ہی بنا دیا جائے اس لئے صنعتی ترقی ابھی ابتدائی منزل میں ہے۔

بہرکیف صورت حال کم قیمت پیداوار لگانے کے لئے کافی سے زیادہ ہے۔ حکومت کی زیادہ آمدنی جو کاشتکاروں اور دیگر غریب طبقوں سے وصول کی جاتی ہے ان بڑے بڑے "وفادار" عہدہ داروں کو دی جاتی ہے جو ملک میں امن و امان اور نہ جانے کیا کچھ پھیلانے کے لئے مامور ہیں۔ مثال ملاحظہ ہو۔ صوبہ آسام کی آبادی کا ۹۴ فیصدی حصہ زراعت پیشہ ہے مگر حکومت کے مصارف میں سے صرف ایک فیصدی زراعت کے محکمے پر صرف کیا جاتا ہے اور باقی حکومت کا سیاسی کام کرنے والے 'منصف مزاج' افسروں پر صرف ہوتا ہے۔

ہندوستان کا توازن تجارت ہمیشہ موافق رہا کرتا تھا مگر اب یہ بھی ناموافق ہوتا جا رہا ہے۔ ہندوستان کی عورتیں اپنا زیور بیچ بیچ کر اپنے شوہروں کا قرض ادا کر رہی ہیں۔ سنہ ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۶ء

تک ہندوستان سے ۲ ارب ۸۶ کروڑ ۸۶ لاکھ ۸۷ ہزار ۱۰ ارب روپے کا سونا برآمد کیا جا چکا ہے اور یہ سلسلہ ابھی جاری ہے۔ ہندوستان والوں کو عموماً اور کسان کو خصوصاً سالہا سال کی ناانصافیوں اور لوٹ مار سے بہت نقصان ہے اور برطانیہ، جاپان و امریکہ وغیرہ کا مال ہندوستانیوں کو خریدنا پڑتا ہے تخمینہ لگایا گیا ہے کہ بیرونی مصنوعات، ہندوستانی ہر سال چالیس کروڑ پونڈ کی خریدتے ہیں حالانکہ ہندوستان غریب ملک ہے مگر مجموعی طور سے آبادی زیادہ ہونے اور سرمایہ داروں کا نابکار وجود ہونے اور ان کے سمجھوتوں اور معاہدوں کی وجہ سے یہ رقم ادا ہو جاتی ہے۔

کسان اور ادنیٰ طبقے کے لوگ حکومت، ساہوکار، زمیندار، جاگیردار، سرمایہ داروں اور ایسے ہی بہت سے "کاروں" اور "داروں" کے مظالم برسوں سے کسی نہ کسی طرح برداشت کرتے رہے لیکن اب وہ زمانہ دور نہیں جب کسان اپنے دکھی بھائی مزدوروں سے مل کر اپنے ہمدردوں کو ساتھ لے کر اُٹھے گا اور اس فرعونی نظام کے لئے موسیٰ بنے گا۔ کیونکہ وہ بہت ظلم برداشت کر چکا ہے اور اس کے بہت سے دوسرے بھائی بھی دکھی ہیں۔ یہ سب دکھی ہی، اپنے اور دوسروں کے سکھ کے لئے اپنے ہمدردوں اور مساوات و شرافت کا گیت گانے والوں اور نیک دل جوانوں کو لے کر اٹھیں گے اور طوفان بن کر جہاز سرمایہ داری کو ڈبو دیں گے۔ بازنشد

بن کر خواجگی کے ٹمٹماتے چراغ کو گل کر دیں گے، پیل بدمست کا رویہ
اختیار کر کے قصرِ استبداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے اور ایک
ایسی دنیا بسا کر رہیں گے جس میں شرافت و محبت کا دریا یقین اور
عمل کی وادیوں سے بہ کر بیداری و حریت کا نغمہ سناتا رہے جس میں
یزداں کی عزت اور اہرمن کی حقارت ہو جس میں تلوار کی جھنکار
ہر وقت پیغامِ عمل دیتی رہے۔ جس کا ہر ذرہ آزادی بدوش و
جوش بداماں ہو۔ جہاں انسان آغوشِ فنا میں پل کر بقائے دوام
حاصل کرے۔ جہاں قومیت کی مضبوط ناؤ وطنِ مقدس کے طوفانی
دریاؤں میں کبھی نہ ڈرکے جہاں سنان و پیکان درسِ شجاعت دیں
اور توپوں اور بموں سے آواز آتی رہے کہ اے جاں نثارانِ وطن
اے جوانانِ قوم! قوم و وطن کی سپر تمہارے ہاتھ میں ہے۔
جہاں جذباتِ خودداری اغیار کی نخوت کو پارہ پارہ کر دیں۔ جہاں
حبابِ زندگی بھنور میں پھنس کر بھی شانِ بے نیازی سے مسکراتا رہے
جہاں خرمنِ ہستی شعاعِ برق سے آنکھ لڑاتا رہے جہاں جو ان
ہمت لوگ تدبیر و عمل کی تلواریں لے کر وطن کی سرزمینِ معصوم
کی خاطر اپنے خون کا آخری قطرہ بھی بہا دیں ؎

خاک کے سینہ میں پنہاں ہیں دبی چنگاریاں
جاگ اٹھیں گی کبھی سوئی ہوئی خودداریاں

کانپ جائے گا کبھی قصرِ تمدّن کا چراغ
موم کے مانند پگھلے گا "امیری" کا دماغ

یہ زمیں ہل جائے گی یہ آسماں ہل جائے گا
اک نیا پرچم ہوا کے دوش پہ لہرائے گا

جاں نثار اختر (علیگ)

باب دوم

ہندوستان کے مزدور

زندگی کا ہر نفس مشکور ہے مزدور کا
جس کو کھا جانے کو ہے تیار ہر سرمایہ دار

(سالک لہاشمی)

ہندوستان ایک زراعتی ملک ہے اس کو قدرتی سہولتیں بہت میسر ہیں، سرسبز و شاداب باغات، زرخیز زمینیں، تالاب و دریا، لکڑیوں سے بھرے ہوئے جنگل، کانوں سے بھرے ہوئے پہاڑ اس میں کم نہیں۔ اس کے میدانوں کی زرخیزی اور وادیوں کی شادابی، دریاؤں سمندروں کی بے پایاں طاقت اور زرعی و معدنی دولت کی وجہ سے غیر اقوام کی ہمیشہ اس پر حاسدانہ نظر رہی ہے۔ چونکہ قدرتی دولتیں اس کو بہت زیادہ نصیب ہیں اس لئے یہاں رہ کر لوگ عیش پسند اور سست ہو جاتے ہیں۔ اس کا ثبوت تاریخی صفحات سے مل سکتا ہے کہ ہر نئی حملہ آور قوم نے یہاں کے پرانے باشندوں کو شکست دے کر اپنا

اقتدار قائم کیا اور یہاں جم جانے کے بعد وہ لوگ بھی سست ہو گئے۔ زرخیزی کے باوجود یہاں کے کسانوں کی حالت ناقابل اطمینان اور دریاؤ سمندروں کے باوجود یہاں کی صنعت و حرفت کمزور رہی ہے۔ ایک تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں کے باشندوں نے بہ سبب فارغ البالی کے اس طرف زیادہ توجہ نہ کی مگر دوسری خاص وجہ یہ ہے کہ غیر ممالک نے اپنے مال مصنوعہ کی منڈی بنانے کی خاطر ہندوستان کی رہی سہی صنعت بھی خاک میں ملا دی اور یہاں کے کسان پر زمیندار جاگیردار حکومت اور سرمایہ دار ساہوکار بار ڈالے ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ بھی پنپنے نہیں پاتا اور اپنے پیشہ میں کوئی منافع نہ دیکھ کر۔ شہری ایجنٹوں اور کارخانہ کے دلالوں کی چرب زبانی سے اثر پذیر ہو کر اپنا دیہی کاروبار چھوڑ دیتا ہے اور شہروں میں جا کر صنعتی کارخانوں اور کانوں وغیرہ میں کام کرتا اور معاش حاصل کر لیتا ہے تاکہ اپنا اور اپنے اہل و عیال کا پیٹ بھر سکے۔

بعض کسان تو اپنے بیوی بچوں کو بھی شہر میں لے جا کر رکھتے، جھونپڑے بنا کر کارخانوں میں روزی کماتے ہیں اور بعض جا کر فیکٹریوں میں ملازم ہو جاتے ہیں مگر اپنے بیوی بچوں کو گاؤں میں رکھتے ہیں۔ یہ وقت ملتے ہی گاؤں جاتے اور اپنے اہل و عیال سے مل آتے ہیں۔ انہیں اپنی قلیل اجرت کا تھوڑا سا حصہ اپنے بال بچوں کو گاؤں میں دینا پڑتا ہے اس طرح ان غریبوں کے دو گھر ہو جاتے ہیں اور شہر اور گاؤں میں ایک قسم کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے مگر یہ رشتہ آزادی و آسودگی

کانہیں بلکہ جان فروشی و بے بسی کا قائم کیا ہوا ہوتا ہے۔[ل]

ہندوستان میں ۷۵ فیصدی سے بھی زیادہ باشندے کاشتکاری پر گذر اوقات کرتے ہیں اس لئے مزدوروں کی تعداد بہت کم ہے۔ صرف احمد آباد، بمبئی، کانپور، کلکتہ، مدراس اور دیگر بڑے تجارتی مرکزوں میں مزدوروں کی تعداد زیادہ نظر آتی ہے۔ ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ کل آبادی میں ۹۵ء۹ فیصدی مزدور ہیں، باقی سب کا کاشتکاری، تجارت اور ملازمتوں پر انحصار ہے۔ ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے اعداد و شمار میں سے ہم ایک نقشہ ذیل میں دیتے ہیں اس سے معلوم ہو جائے گا کہ ہندوستان میں کل مزدور کن کن پیشوں میں منقسم ہیں اور ان کی تعداد کیا ہے۔

لکڑی کے کارخانوں میں کام کرنے والے ——— ۱۶۳۱۷۲۳

خوردونوش کی اشیاء بنانے والے ——— ۱۴۷۶۹۹۵

عمارات بنانے والے ——— ۶۱۸۵۲۷

دھات کی اشیاء بنانے والے ——— ۷۱۳۰۷۰

چمڑا اور کھالیں بنانے والے ——— ۳۱۲۰۷۴

معدنیات اور کانوں والے مزدور ——— ۳۳۶۰۰۰

ل؎ شروع میں گاؤں والے شہری کارخانوں میں خوشی سے نہیں بھیجے جاتے بلکہ زبردستی ڈھکیل دئے جاتے ہیں ان کو دیکھ کر پھر لوگ کارخانہ کے ایجنٹوں کے کہنے سے خود بخود

لباس اور فیشن کی اشیاء بنانے والے ــــ ۲۳۸۰۸۲۴

کپڑے کی ملوں میں کام کرنے والے ــــ ۴۱۰۲۱۴۲

کیمیادی کارخانوں اور دوا خانوں والے ــــ ۶۰۳۵۰۴

متفرق ــــ ۱۴۹۸۰۵۴

چھوٹے اور غیر رجسٹری شدہ کارخانوں والے . . . ۳۵۵۰۰۰

اس کے علاوہ ایک بڑی تعداد ان مزدوروں کی ہے جو کارخانوں کے علاوہ دوسرے قسم کی مزدوری کرتے ہیں۔ اس طرح سب مزدوروں کی تعداد ۲ کروڑ کے لگ بھگ ہوتی ہے۔ جو دوران جنگ ۴ کروڑ تھی۔

ہم پہلے کہہ آئے ہیں کہ ان میں زیادہ گاؤں کے کسانوں اور کاشتکاروں کی تعداد ہے جو یا تو ایجنٹوں اور دلالوں کے بہلانے پھسلانے اور سبز باغ دکھانے سے بھرتی ہوئے ہیں یا اپنے سے پہلے داخل کئے ہوئے کسان بھائیوں کی حالت پہلے سے کچھ بہتر دیکھ کر اور ان سے مشورہ حاصل کرکے داخل ہوئے ہیں۔ گاؤں سے آدمی لاکر کارخانوں میں داخل کرنے، تنخواہ کی ادائگی اور دیگر انتظامات کرنے کے لئے صنعتی شہروں میں ایک طبقہ مستقل طور پر رہتا ہے یہ لوگ کارخانے کے ایجنٹ یا دلال کہلاتے ہیں۔ ۱۹۲۳ء سے پہلے مزدوری کی کمی سے مزدوروں کی بھی کمی پڑ گئی تھی مگر ان دلالوں نے اس وقت گاؤں سے مزدور فراہم کرکے کارخانوں کو بہت امداد و فائدہ پہنچایا۔ غریب اور جاہل لوگوں کو بڑے لالچ

دے دے کر کارخانوں میں داخل کرایا مگر اب صورتِ حال بالکل بدل گئی ہے اب آدمیوں کی مانگ کم ہے مگر رسد زیادہ اس سے دو نقصان ان غریبوں کو اٹھانا پڑتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ نوکری حاصل کرنے کے لئے اب انہیں دلالوں کو رشوتیں دینا پڑتی ہیں دوسرے یہ کہ مالکان کارخانہ مانگ سے زیادہ رسد دیکھ کر اجرت کم اور وقت زیادہ کر دیتے ہیں اور ان کی مخالفت ہوتی ہے تو زیادہ مخالف آدمیوں کو برطرف کر کے نئے مزدوروں کو رشوت کھانے والے دلالوں کی سفارش سے رکھ لیا جاتا ہے اس طرح بے روزگاری بڑھتی جاتی ہے اور تجارت و صنعت و حرفت اس قدر وسیع پیمانہ پر نہیں کہ سب لوگ کھپ جائیں اور نہ صنعتی اداروں میں اضافہ کی فی الحال کوئی امید ہے۔ اس وقت ضرورت ہے کہ لوگ تجارت اور صنعت و حرفت کی ترقی کی طرف عملی قدم بڑھائیں اور اپنے ہندوستان اور ہندوستانیوں کی مفلسی و بے روزگاری ایک حد تک کم کر دیں۔

ہندوستان میں مزدوروں کو کئی مقامات پر پندرھویں دن اور کئی جگہ ماہانہ اجرت دی جاتی ہے۔ اس لئے ہر ماہ کا خرچ یہاں بھی ان غریبوں کو قرض لے کر چلانا پڑتا ہے جس کی ادائیگی تنخواہ ملنے پر ہوتی ہے بعض مہینوں میں "دو دو چھٹے" ہونے کی وجہ سے اکثر اپنے صرفہ کا اندازہ نہیں رہتا اور آمدنی سے زیادہ رقم قرض لے لی جاتی ہے جو ایک ماہ میں ادا نہیں ہو سکتی اس لئے اگلے مہینہ کا

تنخواہ پر ادائگی ہوتی ہے یہاں بھی اسے ساہوکار سے واسطہ پڑتا ہے اور خرچ کا اندازہ نہ ہونے سے قرض کی رقم بڑھ جاتی ہے جو اس کے حق میں سمّ قاتل کا کام کرتی ہے پھر اس پر بے حساب سود بڑھتا جاتا ہے اور اس کی ادائگی ایک مزدور کے لئے تو محال ہو جاتی ہے

احمد آباد کے گرد و نواح کے مزدوروں کے لڑکے ٹھیکے پر مزدور بنا لئے جاتے ہیں۔ اس کا قاعدہ یہ ہے کہ کارخانہ والے قریب کے گاؤں کے مزدوروں کو بیس، پچیس روپے سالانہ دے کر ان کے لڑکوں کو کام کے لئے کارخانوں میں نوکر رکھ لیتے ہیں مزدور غربت کی وجہ سے اسے منظور کر لیتے ہیں۔ حالانکہ ان لڑکوں کے کھانے اور رہنے کے لئے کارخانے والے خود انتظام کرتے ہیں لیکن یہ انتظام اتنا خراب ہوتا ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ کارخانہ کے منتظمین کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ ان لڑکوں کے کھانے پینے اور رہنے سہنے کے انتظام و انصرام پر جس قدر ممکن ہو کم خرچ کیا جائے [1] یہ غلامی کا طریقہ اس قدر مضبوط ہو گیا ہے کہ اتحادی تجارتی انجمنوں (TRADE UNIONS) جیسے اداروں کو ان مزدوروں کی ترقی اور بہتری کی کوئی تحریک کرنا سخت مشکل ہو گیا ہے۔

---

[1] THE COTTON INDUSTRY OF INDIA 1930 BY ARNOPEARSE

بین الاقوامی تجارت کا دستور ہندوستان میں بہت قدیم زمانہ سے قائم تھا۔ رگ وید میں بھی اس کا ذکر ہے۔ سوتی کپڑوں میں ڈھاکے کا ململ اب تک یادگار ہے۔ قالینوں کے لئے آگرہ، جونپور اور مرزا پور، شالوں اور گرم کپڑوں کے لئے لاہور، لودھیانہ، امرتسر اور کشمیر مشہور تھے[1]

مسلمان بادشاہوں کا دور خصوصاً اکبر اعظم کا عہد حکومت اس کی ترقی کے لئے مشہور ہے۔ اس صنعت کی یادگار اونی شالیں قالین اور کمبل اب بھی اپنی جگہ نایاب تصور کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح ریشمی کپڑوں کا کاروبار بھی ہندوستان کی مخصوص صنعتوں میں سے تھا لیکن غدر کا انقلاب عظیم ہندوستانی باشندوں اور ہندی صنعتوں کے لئے فرشتۂ اجل بن کر آیا جس نے ہندوستان کی شجاعت، خوش حالی اور صنعتوں غرض ہر چیز کو روبہ زوال کر دیا۔ مغربی تہذیب، بنگلے اور صاحبان عظیم الشان لوگوں کے مرکز نظر بن کر تعریف کا سامان بن گئے۔ مانچسٹر اور لنکا شائر کا دور شروع ہو گیا۔ سوتی، اونی اور ریشمی ہر قسم کے کپڑے برطانیہ سے آکر فروخت ہونے لگے اور بھولے بھالے ہندوستانی بھول گئے کہ ان کا ملک خود بھی کبھی ان صنعتوں کا گہوارہ رہا ہے۔

اس کامیابی نے مغربی تاجروں کے حوصلے بڑھائے اور نئی ولایتی

---

[1] "ہندوستانی صنعت و حرفت کا فروغ" از بوس و دیو لال کر۔

مشینیں اور کل پرزے ہندوستان میں آنے لگے اور تھوڑے ہی عرصہ میں ہندوستان بھی وسطی درجہ کا "صنعتی ولایت" بن گیا۔ لیکن ملکی صنعتیں برائے نام رہ گئیں۔ اور جو صنعتی کارخانے ہندوستان کے ہیں وہ بھی وطن کے دشمن حیلہ گر سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں ہیں جو حکومت سے سمجھوتہ کئے رہتے ہیں۔ حکومت ٹیکس لگاتی رہتی ہے، سرمایہ داروں سے روپیہ لیتی ہے اور سرمایہ دار مزدوروں سے زیادہ کام لے کر کم اجرت دیتے ہیں اور رہنے سہنے کا بھی کوئی انتظام نہیں کرتے۔ اس سے مزدوروں کی حالت خراب ہوتی جاتی ہے۔ نیز یہ کہ ہر طبقہ اپنے سے ادنیٰ طبقہ سے روپیہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے، حکومت سرمایہ داروں کو دباتی ہے اور سرمایہ دار مزدوروں سے (انکی مزدوری میں تخفیف کرکے) روپیہ حاصل کرکے حکومت کا خزانہ بھرتے ہیں۔ اس میں بھی ان موٹے پیٹ والوں کا کچھ نہیں بگڑتا اور یہی غریب مزدور دبتے ہیں اور ان میں افلاس بڑھتا ہے اور فاقہ کشی ہوتی ہے۔ اس طرح جن کے دم سے کارخانے جاری ہیں وہی غریب فاقوں پر فاقے کرتے ہیں اور اعلیٰ طبقے (جن میں حقیقت میں ذلیل اور ادنیٰ خون ہے) بے فکر رہتے اور مزے اڑاتے ہیں۔

مزدوروں کی تعلیم

یورپ کے سرمایہ دار ممالک اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مزدوروں کی

صحت و تندرستی قائم رکھنے کے لئے ان میں تعلیم بھی عام کی جائے جس سے صفائی اور روشن خیالی ان میں آجائے۔ اس لئے وہاں مزدوروں کی جبریہ تعلیم عرصے سے ہو رہی ہے۔ ہندوستان نے بھی اس طرف غور کیا ہے اور ملک کی مجلس مقننہ نے بھی اس سے اتفاق کیا ہے سنہ ۱۹۳۰ء تک ملک میں ۱۳۲ میونسپل بورڈوں نے اور ۱۳۷ اور ۳ گاؤں نے جبریہ تعلیم کا نفاذ کر دیا تھا۔

ہندوستان میں جس قدر بھی ٹیکس لیا جاتا ہے اس میں سے فوج پر کل آبادی میں ۲ روپے ۴ فی کس، تعلیم پر ساڑھے چار آنے فی آدمی خرچ کیا جاتا ہے۔ برطانوی ہند کی ۲۴ کروڑ آبادی پر حکومت صرف ایک کروڑ پونڈ تعلیم کے لئے صرف کرتی ہے اور انگلستان کی صرف ۴ کروڑ آبادی پر گورنمنٹ پانچ کروڑ پونڈ سے بھی زیادہ خرچ کرتی ہے۔ تعلیم اور صحت عامہ جو نہایت ضروری چیزیں ہیں ان پر ہی بہت کم روپیہ صرف کیا جاتا ہے۔ برطانوی ہندوستان سے کہیں زیادہ ہندوستان کی ریاستیں عوام کی تعلیم و صحت کے لئے صرف کر دیتی ہیں اگرچہ وہاں کا انتظام کرنے والے ٹھیک نہیں۔ سارے ہندوستان میں لکھنا پڑھنا (ہر قسم کا) جاننے والے کل ۱۴ فیصدی مرد اور ۲ فیصدی عورتیں ہیں مگر میسور جیسی چھوٹی ریاست ہی میں ۱۴ فیصدی مرد اور ۲ فیصدی عورتیں تعلیم یافتہ موجود ہیں۔ مگر اب امید ہے کہ اس طرف زیادہ توجہ

لہ SIMON REPORT VOL.2.

دی جائے گی تعلیم کے لئے مزدور اور ساتھ ساتھ کسان بھی بیدار ہو رہا ہے اور جیسے ہی ہندوستان کے سب مزدوروں میں بیداری پیدا ہو گئی آپ دیکھیں گے کہ ہندوستانی مزدور کسی ملک کے مزدور سے تعلیم میں پیچھے نہیں رہے گا۔

کارخانوں کے لئے قانون اور مزدوروں کی اجرت

سنہ ۱۸۸۱ء تک ہندوستان میں مزدوروں اور کارخانوں کے لئے کوئی قانون نہیں بنا تھا لیکن پہلا قانون اسی سنہ میں نافذ ہوا جس سے یہ طے پایا کہ ۷ سال سے کم عمر کے بچے مزدوری نہیں کر سکتے ۷ سال سے ۱۲ سال کے لڑکوں کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ ۹ گھنٹے روزانہ کام کریں۔ سنہ ۱۹۲۲ء میں یہ قانون پاس ہوا کہ ۱۲ سال سے کم عمر لڑکا مزدوری نہیں کر سکتا۔ اس سے زیادہ عمر کے لڑکے صرف ۶ گھنٹے کا کام کر سکتے ہیں۔ بڑی عمر کے مزدوروں کے لئے یہ طے ہوا کہ وہ ۱۱ گھنٹے روزانہ کام کریں۔ ہمیں تو اس کا رونا ہے کہ یہ بچوں کے مزدوروں کے لئے بہت زیادہ مصیبت تھی مگر حکومت کے اس مقررہ وقت کو بھی سرمایہ داروں نے بہت کم خیال کیا اور بے دردی سے اپنے فائدہ کے لئے ان کو جوتنا شروع کیا۔

سنہ ۱۹۲۲ء میں احمد آباد کے کارخانوں میں ایک ہزار دو سو چھبیس لڑکے کام کرتے تھے۔ آجکل بھی دو کانوں میں لڑکے ملازم رکھے جاتے ہیں اور ان

سے مقررہ وقت سے دوگنا کام لیا جاتا ہے۔ جن کارخانوں میں مشینیں استعمال نہیں کی جاتیں ان میں بچے اور عورتیں ہی کام کرتی ہیں مثلاً بیڑی کے کارخانوں میں، تھالیوں اور دریوں کے کارخانوں میں جہاں صرف ہاتھ سے کام لیا جاتا ہے۔ یہاں اس کا قطعی خیال نہیں رکھا جاتا کہ عمر کے لئے کیا قانون ہے اور مختلف عمروں کے مزدوروں سے کتنا کتنا کام لینا چاہئے۔ ہر عمر کے بچے اور سب عورتیں مل کر پندرہ پندرہ سولہ سولہ گھنٹے کام کرتے ہیں تب ان غریبوں کو کچھ پیسے پیٹ بھرنے کے لئے ملتے ہیں۔ علاوہ اس کے وہ نہایت گندی اور مضر صحت فضا میں کام کرتے ہیں۔ ہم وہاٹیلے رپورٹ کا وہ حصہ ذیل میں درج کرتے ہیں جس میں عورتوں اور سات، آٹھ برس کے مزدور بچوں کے ساتھ برتاؤ کا ذکر ہے:-

ان کارخانوں میں عورتوں اور بچوں سے ڈنڈوں بیدوں اور دوسری قسم کی مار پیٹ سے کام لیا جاتا ہے۔ جب ان مزدوروں پر مار پڑتی ہے تو کارخانوں میں ایک ہنگامہ ہو جاتا ہے تمام کارخانوں میں گرد اور دھول اس قدر اڑتی ہے کہ کھڑا ہونا محال ہوتا ہے۔ مزدور ماؤں کے بچے ان کے قریب ہی ریت اور دھول پر لیٹے ہوئے نظر آتے ہیں جن پر میلے کچیلے کپڑے پڑے ہوتے ہیں اور یہ بچے اپنی سانس کے ساتھ دھول اور جراثیم پیٹ میں پہنچاتے رہتے ہیں۔" اللہ اللہ یہ ظلم! یہ ستم!! ایک ماں کا بچہ عالیشان محل کے سجے ہوئے کمرے میں ایک خوبصورت مسہری پر جس کے چاروں طرف سبزوں اور موتی

کی لڑیوں کے ہار پڑے ہوئے ہیں، بیش بہا، اعلیٰ قسم کے کپڑوں میں ملبوس گدوں، تکیوں میں، لیٹا، قہقہے مار رہا ہے جس کے چاروں طرف اچھے اچھے کپڑے پہنے "شریف خاندان" کے لوگ خوش خوش پھرتے نظر آرہے ہیں اور اسی قوم کی ایک ماں کا بچہ پھٹے چیتھڑوں میں لپٹا ہوا مٹی اور گوبر میں پڑا ہوا ہے جس کی ماں، بہنیں اور بڑے بھائی کارخانے کے منتظمین کی ماریں کھا رہے ہیں کیا یہی شرافت ہے، کیا یہی انسانیت ہے، کیا یہی مذہب ہے؟ کیا اسکو ذلالت نہیں کہا جاسکتا، کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی کمینی حرکت اور کیا اس سے بھی زیادہ خوفناک الحاد و تکفر ہیں؟ آہ! افسوس!! اس کو امیری، شرافت اور قسمت کے جھکنے والے مگر خوشخوار الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے۔ اگر اس نظام کو مٹانے کی رائے اور صحیح راستہ اختیار کرنے کی تجویز پیش کی جاتی ہے تو اس کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا جاتا ہے کہ یہ ہمارے مذہب میں نہیں! جس کی قسمت میں جو کچھ ہے اسکو تو وہی ملے گا! ۔ لیکن افسوس یہ مذہب نہیں، یہ شرافت نہیں یہ انتہائی درجہ کی کمینی حرکات ہیں۔ جہاں تک میرے مسلمان بھائیوں کا تعلق ہے میں اپنے بھائیوں کو میرے آقائے نامدار پیغمبر اسلام مصلح اعظم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں "مسلمان سچے دل سے دوسرے مسلمان کے لئے وہی چیز پسند کرتا ہے جو اپنے لئے"۔ میں دنیا کے سارے انسانوں کو ایک ہمدرد بنی نوع انسان کی ایک بہترین اور جامع، بین الاقوامی نصیحت سناتا ہوں

امید کرو اس سے انسانیت، شرافت، مذہب، استقامت اور
اجتماعیت و اشتراکیت کا صحیح مفہوم سمجھیں گے حضرت انسان ایک
ہیں سب کو شریک ہو کر ایک سی زندگی بسر کرنی چاہئے اور کسی کو حق نہیں
کہ اپنے ہی جیسے انسانوں کو ستائے۔ ایک حکیم تو چیونٹی کے ستانے
سے بھی باز رکھتا ہے۔ شیخ کس مؤثر انداز میں نصیحت کرتا ہے۔

میازار مورے کہ دانہ کش است
کہ جان دارد و جان شیریں خوش است
سعدی

اسی دوسالے رپورٹ میں بیڑی کے کارخانوں کے متعلق لکھا تھا:-
"بیڑی کے کارخانوں میں پانچ پانچ برس کے بچے کام کرتے نظر
آئیں گے جن کے لئے پورے دن کے کام کے بعد کچھ منٹ کا وقفہ بھی
نہیں ملتا اور ہفتہ میں آرام کا ایک دن۔ یہ بچے صرف ۱ روپیہ کے
لئے ۱۰۔ اور ۱۲ گھنٹے روز کام کرتے ہیں"

اس کے علاوہ بڑے بڑے کارخانوں میں بھی بڑی بے دردی
سے کام لیا جاتا ہے اور مزدوروں کی سہولتوں کے لئے کوئی توجہ
یا انتظام ضروری نہیں سمجھا جاتا۔ ۱۹۲۶ء میں بنگال کے جوٹ کے
کارخانوں میں ۳ لاکھ ۹ ہزار مزدوروں میں سے ۸۰ ہزار عورتیں اور
۲۹ ہزار بچے کام کرتے تھے۔ بڑے کارخانوں میں صبح کے اندھیرے
سے شام ہونے تک کام لیا جاتا ہے اور ستم پر ستم یہ کہ درمیان

میں کوئی وقفہ نہیں دیا جاتا۔ عورتیں ایک ہاتھ سے بچے سنبھالتی ہیں اور دوسرے سے کام کرتی ہیں۔ حاملہ عورتیں "بھوک" کے ڈر سے کہ نہ جانے سے کام چھوٹ جائے گا اور پھر فاقے کرنا اور بھوکے مرنا ہوگا، کام پر جانا ترک نہیں کرتیں اور اکثر عورتوں کے کارخانوں ہی میں بچے پیدا ہو جاتے ہیں ۱۹۲۲ء کے سرکاری بیان کے اعداد و شمار سے پتہ چلا کہ ۱۳۲ حاملہ کام کرنے والی عورتوں میں سے ۱۰ عورتوں کے بچے کارخانوں ہی میں ہوئے۔

بمبئی کے روئی کے کارخانوں میں عورتوں کو اجازت نہیں کہ بچے لے کر کام کریں اور ان غریب عورتوں کے پاس اگر ایسا انتظام ہو کہ دوسرے ان کے بچوں کو کھلائیں اور بہلائیں تو یہ پھر مزدوری کیوں کریں۔ مجبوراً ان کو اپنے بچوں کو افیون کا عادی بنانا پڑتا ہے تاکہ وہ دن بھر افیون کے نشے سے سوتے رہیں اور وہ کارخانوں میں کام کرنے جائیں ۱۹۲۲ء کی سرکاری تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ ۹۸ فیصدی بچوں کو افیون کھلائی جاتی ہے۔ مزدوروں کی جیسی خراب حالت ہندوستان میں ہے ایسی کہیں نہیں کیونکہ ان کو کمائی کے صرف دو ہی طریقے معلوم ہیں یا تو زراعت کریں یا مزدوری اور دونوں پیشے ان کا پیٹ بھرنے کے بجائے ان کو رُلاتے، گھلاتے ہی رہتے ہیں۔ ہندوستان میں نہ مزدوروں کی صحت کی کوئی پروا کی جاتی ہے اور نہ ان کے معاوضہ اور تعین وقت کا کوئی باقاعدہ انتظام ہے۔

۱۹۲۸ء میں بمبئی میں مزدوروں نے جو بلوہ (اسٹرائک) کیا تھا اس سے کپڑے کے کارخانوں کی حالت بہت کچھ ظاہر ہوئی ہے۔ اس سلسلہ میں جو فوسٹ کمیٹی قائم ہوئی تھی اس نے مزدوروں کے معاوضہ کے متعلق جو معلومات بہم پہنچائی ہیں وہ قابل غور ہیں۔ کمیٹی نے ہندوستانی مزدور اور ممالک متحدہ امریکہ و انگلستان کے مزدوروں کے معاوضے کا مقابلہ کیا ہے۔ اس کی رپورٹ ہم ذیل میں درج کرکے ناظرین کو پیش کرتے ہیں تاکہ ہندوستان کے مزدوروں کی حالت دوسرے مزدوروں کی حالت کے مقابلہ میں) رکھ کر دیکھی جائے کہ معمولی صنعت کے ملک کے مزدوروں کی بھی ایسی خراب حالت ہے جو بڑے بڑے سرمایہ دار ممالک کے مزدوروں کی حالت سے بھی گئی گزری ہے۔ ملاحظہ ہو:-

ہندوستان میں	ایک ماہ کی مزدوری	(۲۶ دن ۱۰ گھنٹے)	تقریباً ۴۰ روپے
ممالک متحدہ امریکہ	" "	(۲۴ دن ۸ گھنٹے)	" ۲۱۰ روپے
انگلستان	" "	(" ")	" ۹۰ روپے

باوجود اس قدر کم مزدوری کے بھی کمیٹی نے یہی طے کیا کہ ہندوستانی مزدور کی اجرت میں کمی ہونا چاہیے چنانچہ ۳۰ روپے ماہوار ملنے والوں کی تنخواہ میں کمی کر دی گئی اس رپورٹ سے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ ایک مزدور کے گھر کے کھانے میں آمدنی کا ۵ فیصدی روپیہ خرچ ہوتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اسی خیال سے کمیٹی نے رپورٹ کے ذریعہ مزدوروں کی مزدوری کاٹ کر سرمایہ دار نوازی کا ثبوت دیا تھا لیکن افسوس ان

لوگوں نے مزدوروں کے قرضہ کا کچھ خیال نہیں کیا!

یکم جنوری ۱۹۳۲ء کو "حکومت عالیہ" نے ریلوے کے مزدوروں کی تنخواہ میں دس فیصدی تخفیف کر دی اور بعد میں محکمۂ ڈاک کے ملازمین نیز دوسرے سرکاری ملازموں کی تنخواہوں میں دس فیصدی کمی کر دی اور اسی وقت دوسرے کارخانوں میں بھی مزدوری کا نرخ بہت زیادہ گھٹا دیا گیا۔

مزدوروں کے مکانات

ہندوستان میں کانوں اور کارخانوں کے مزدوروں کی حالت بہت ابتر ہے۔ حالانکہ کانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کو کان کے مالک یا ٹھیکیدار کی طرف سے مکانات ملتے ہیں مگر ان مکانات سے خانہ بدوشی بہتر ہے۔ یہ مکانات کیا ہوتے ہیں؟ چھوٹی چھوٹی کوٹھریاں بغیر کواڑ کے دروازے کی ہوتی ہیں جن میں ایک چھوٹے سے غیر کشادہ دروازہ کے سوا کوئی کھڑکی یا روشن دان نہیں ہوتے۔ چھتیں ایسی خستہ ہوتی ہیں کہ انکی خستگی پر ہنسی اور مزدوروں کی خستہ حالی پر رونا آتا ہے۔ ان چھتوں سے برسات میں پانی ٹپکتا رہتا ہے۔ ان کی بابت وہاٹلے رپورٹ کا بیان ملاحظہ ہو:-

"سنہ ۱۹۲۱-۲۲ء کی تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ بمبئی میں ۹۷ فیصدی مکانات صرف ایک کوٹھری کے ہیں جن میں چھ سے لے کر ۹ آدمیوں تک رہتے ہیں۔ کراچی میں مزدوروں کی ¾ آبادی انہیں کوٹھریوں میں رہتی ہے۔

یہی حالت احمد آباد، کان پور، ہاوڑہ، کلکتہ وغیرہ میں ہے"۔
صرف چند مثالیں ایسی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مکانات کارخانے والے مہیا کرتے ہیں ورنہ عام طور پر مزدوروں کو زمینداروں کے رحم و کرم کا محتاج ہونا پڑتا ہے۔ زمین تنگی ہونے کی وجہ سے مکانات اس قدر تنگ و تاریک بنائے جاتے ہیں کہ سانس لینا بھی دوبھر ہوتا ہے۔ گلی اور کوچے اتنے گندے ہوتے ہیں کہ غلیظ، کیچڑ، خس و خاشاک وغیرہ سے پٹے پڑے رہتے ہیں جو مزدور اپنی بیویوں کو پردہ میں رکھتے ہیں وہ اپنے مکان کے دروازہ پر ٹین اور ٹاٹ کے ٹکڑے ٹانگ لیتے ہیں جن سے ان کا افلاس بھی ظاہر ہوتا ہے اور صحت و تندرستی پر بھی برا اثر ہوتا ہے کیونکہ ان کی وجہ سے اور دم گھٹنے لگتا ہے۔ ہندوستان کے مزدور اسی غربت کی حالت میں ان عشرت کدوں میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ آہ! یہ زمانہ کے لئے کیا کیا کرتے ہیں اور زمانہ ان کے لئے کتنا بے پروا ہے!؟

سنہ ۱۹۳۰ء میں جب غیر ملکی کپڑے کا بائیکاٹ ہو رہا تھا احمد آباد میں کپڑے کے کارخانے بہت اچھی مالی حالت میں تھے لیکن اس وقت بھی مزدوروں کے رہنے سہنے کا انتظام انتہائی خراب تھا۔ مزدور تعداد میں بڑھتے جاتے تھے مگر کارخانوں نے ان کے رہنے سہنے کا انتظام نہ کیا تھا سنہ ۱۹۳۱ء میں ٹیکسٹائل یونین نے ایک رپورٹ شائع کی تھی جس سے معلوم ہوا کہ احمد آباد میں سولہ ہزار کوٹھریاں مزدوروں کی ایسی تھیں جن میں انسان رہ نہیں سکتا۔ ان میں نہ ہوا کا گذر تھا اور نہ روشنی کی آمد

کا کوئی ذریعہ -

کانوں کے مزدور

سنہ ۱۹۲۳ء سے پہلے جبکہ "کانوں کا قانون" (MINES ACT) نافذ نہیں ہوا تھا ۸ - ۹ - اور ۱۰ برس کے بچے کانوں میں مزدوروں کی حیثیت سے کام کرتے تھے اور ان کی تعداد آٹھ ہزار پانسو اڑتالیس (۸۵۴۸) تھی - اس قانون سے تیرہ برس سے کم عمر کے لڑکے کانوں میں کام کرنے سے روک دئے گئے اور بڑی عمر کے آدمیوں کے لئے کانوں کے اندر ۵۴ گھنٹہ فی ہفتہ اور کانوں کے باہر ۶۰ گھنٹہ فی ہفتہ کام کرنا قرار پایا۔ سنہ ۱۹۲۹ء میں ایک اور قانون پاس ہوا جس سے عورتوں کو کانوں میں کام کرنے سے روک دیا گیا - اس وقت بنگال، بہار، اڑیسہ اور سی پی میں جو کوئلے کی کانیں ہیں ان میں ۴۱ فیصدی عورتیں مزدور ہیں - ان کانوں میں ہوا کا بالکل گذر نہیں بلکہ جوں جوں زمین کھودی جاتی ہے اس کا ویسے ہی درجہ حرارت بڑھتا جاتا ہے اور نمی میں بھی ساتھ ہی ساتھ اضافہ ہوتا جاتا ہے - رانی گنج (بنگال) کے کوئلے کی کانوں میں چونکہ مرد اور عورتیں ننگے پاؤں کام کرتے ہیں اس لئے ان کے پیر اکثر زخمی ہو جاتے ہیں - اور وہ بھی کئی کئی دن تک کام نہیں کرسکتے - وٹھالے کمیٹی نے بھی شکایت کی ہے کہ عورتوں سے وہ زیادہ کام لیا جاتا ہے جو ان کی طاقت سے باہر

ہے۔کمیٹی نے اس بات کی بھی سفارش کی ہے کہ حکومت کو مزدوروں کی صحت کا خاص خیال رکھنا چاہئے۔

کارخانوں اور کانوں میں جو حادثات پیش آتے رہتے ہیں ان کی تعداد کبھی کم نہیں۔ ۱۹۲۶ء میں دو سو ستائیس اموات واقع ہوئیں جن میں ۱۹۰ مرد اور ۲۷ عورتیں تھیں دس بچے۔ ۱۹۲۲ء میں "ورک مین کمپنسیشن ایکٹ" پاس ہوا اس سے پہلے ایک مزدور کی موت پر اس کے وارثوں کو کچھ نہیں ملتا تھا لیکن اس قانون سے بالغ آدمی کی موت پر تقریباً ڈھائی ہزار روپئے اور نابالغ کی موت پر تقریباً ڈھائی سو روپئے ملتے ہیں یہ سمجھئے گویا کہ پہلے اپنے منافعہ کے سلسلہ میں آدمیوں کو مفت مار ڈالا جاتا تھا اور اس قانون کے بعد سے مول لے کر۔ ہندوستان کا مزدور اسکی اصلیت اس لئے نہیں سمجھتا اور اس کی اس کے نزدیک اس لئے اہمیت نہیں ہوتی کہ وہ اپنے حقوق اور محنت کی حقیقت سے ناواقف ہے۔ وہ یہ نہیں جانتا کہ اس کی محنت ہی پر دنیا کے کاروبار چلتے ہیں اس لئے اسے کبھی دنیا کے سامنے اپنے حقوق پیش کرنا چاہیئے۔ ۱۹۲۹ء تک مزدوروں کی اموات (کانوں اور کارخانوں میں) ۱۳ فی ہزار تھیں جن میں سے صرف ۵ فی ہزار کے ورثاء کو روپیہ ملا اور باقی ماندہ مزدوروں کی اموات کی اتنی اہمیت بھی نہ سمجھی گئی جیسے کسی امیر کے کتے کی۔ گویا بے جان چیزیں تھیں کھو گئیں یا ان کی قسمت ہی میں ایسے

مرنا لکھا تھا۔ بیچارے سرمایہ دار کیا کریں جی ــــ!

مزدوروں کی بے روزگاری

کارخانوں کو شروع میں مزدوروں کی بڑی مانگ تھی اور مزدور ڈھونڈے سے نہیں ملتے تھے مگر جب سے دنیا کی مالی حالت میں تبدیلی ہوئی اس وقت سے بے روزگاری شروع ہوئی۔ وھائٹلے رپورٹ جو اس زمانہ میں شائع ہوئی تھی مظہر ہے کہ "بمبئی کے کارخانوں میں ۱۹۲۴ء میں مزدوروں کی تعداد ایک لاکھ چوالیس ہزار پانچ سو سینتالیس تھی لیکن ۱۹۲۹ء میں صرف ۱۸،۳۶۹ رہ گئی اور اسی طرح ٹاٹا فیکٹری میں ۳۲،۵۲۱ سے ۳۰،۹۶۶ رہ گئی"۔ ۱۹۳۵ء میں تقریباً ۴۰ ہزار مزدور ریلوے سے نکالے گئے۔ اور جوٹ کے کارخانوں میں تقریباً تین لاکھ ۴۰ ہزار مزدوروں میں سے ۸۰ ہزار تخفیف میں آکر بیکار ہو گئے۔ اس طرح ایک کروڑ سے بھی زیادہ مزدور بیکار ہو گئے اور اگر سات سال کی بیکاری پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ سات سالوں میں تقریباً چار کروڑ مزدور بیکار ہو گئے۔ نئی جنگ کے اختتام سے یہ مرحلہ از سر نو درپیش ہے۔

یہ مزدور بیکار ہو کر یا تو اپنے گاؤں میں چلے جاتے ہیں اور پھر پہلے کی چھوڑی ہوئی بلاؤں میں پھنس جاتے ہیں یا یہ لوگ فقیر ہو کر بڑے بڑے شہروں میں امیروں کے ٹکڑوں پر بسر کرتے ہیں۔

غریب اور فاقہ کش مزدوروں کی صحت تندرستی

"قلیل تنخواہ، گندے اور خراب مکانات، گندی فضا، فاقہ کشی زیادہ کام، کم معاوضہ، مارپیٹ اور بیکاری سے مزدوروں کی صحتیں خراب اور تندرستیاں برباد ہوجاتی ہیں جو ہر سال کی اموات کے اعداد وشمار سے ظاہر ہے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ ہندوستان کا مزدور ایک مٹھی چاول کھا کر بہت زیادہ کام کرسکتا اور زندہ رہ سکتا ہے اس لئے اس کی اجرت زیادہ نہیں ہونا چاہیئے۔ ان عقل کے اندھوں سے یہ کہا جائے کہ جب اسے کھانے کو کبھی پوری طرح نصیب نہیں ہوتا تو وہ کیا مزدوری کرسکتا اور زندہ رہ سکتا ہے۔ یہ اس کی بھوک اور اہل وعیال کا خیال ہے جو اُسے بھوکا رکھ کر بھی سخت کام کرنے پر مجبور کردیتا ہے اور ایک مٹھی چاول کھا کر وہ جفا کشی کرتا ہے اور ہندوستان کے مزدور "بھوکوں کے جلوس" اور "روٹی یا خون" کے مظاہرے نیک دل حکومت کے سامنے اس لئے نہیں کرتے کہ وہ جاہل ہیں اور اپنے حقوق کو اچھی طرح نہیں سمجھتے۔ جن کو خدا نے آنکھیں نہ دی ہوں اُن کے سامنے کیا روئیے! ان ظالموں سے کہا جائے کہ ذرا ہندوستان کے باشندوں کی عمروں کے اوسط کا دوسرے ممالک کے اوسط سے تو مقابلہ کرو۔ اور ہندوستان کی

(تغذیہ کی خرابی و قلت کی وجہ سے) اموات تو آنکھوں کے سامنے رکھو۔ ہندوستان میں عمروں کا اوسط ۲۴ سال ہے اور انگلستان میں ۵۵ سال۔ سن ۱۹۳۰ء میں ہندوستان میں ترانوے لاکھ اسی ہزار اموات ہوئیں اور انگلستان میں صرف چار ہزار چار سو اڑسٹھ اور ہندوستان میں اس طرح، اموات کا اوسط ۲۶٫۸ فی ہزار تھا اور انگلستان میں ۱۱٫۷ فی ہزار تھا۔

یہ برابر دیکھنے میں آرہا ہے کہ قریب قریب ہر برس ہیضہ، پلیگ اور چیچک پھیلتے اور لاکھوں ہندوستانی مرجاتے ہیں ڈاکٹر سر جان میگو نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ "سارے ملک میں ایک کروڑ تیس لاکھ آدمی مختلف بیماریوں میں مبتلا ہیں اس میں سب سے زیادہ دق کے بیمار ہیں، دق کی بیماری ہر سال بڑھ رہی ہے، رات کا اندھاپن جو خوراک کم اور خراب ملنے کی وجہ سے ہو جاتا ہے لوگوں کو پریشان کیے ہوئے ہے اس میں بھی چھ لاکھ نفوس مبتلا ہیں۔ ہندوستان میں صرف ۳۹ فیصدی آدمیوں کو خوراک ٹھیک ملتی ہے، ۴۱ فی صدی لوگ خراب خوراک سے اپنا گزارا کرتے ہیں اور ۲۰ فیصدی کو تو بدترین غذا ملتی ہے۔ اس سلسلے میں بنگال کی بہت خراب حالت ہے۔ وہاں اموات کا اوسط ہزار پر پینسٹھ ہے۔ مزدوروں کی حالت بہت ہی افسوسناک ہے۔ ایک کوٹھری میں رہنے والے لوگوں کا ہزار پہ ۵۷۷ اوسط اموات ہے۔ اور دو کوٹھریوں میں رہنے والوں کا اوسط ۲۵۴ فی ہزار ہے،

ہسپتال میں مرنے والوں کا اوسط ۱۰۷ فی ہزار ہے۔"
۱۹۱۸ء کے بخار وانفلوئنزا سے ایک کروڑ دس لاکھ آدمی مرے تھے اور کل آبادی میں ۲۲ر۲۶ فی ہزار کا اوسط تھا۔ آگرہ میں ۱۲۸ر۹۵ فی ہزار، کانپور میں ننانوے اعشاریہ اکیانوے فی ہزار اور پونا میں ۴۸ر۵ فی ہزار کا اوسط تھا۔ دیہاتوں کی حالت بہت ہی ناگفتہ بہ تھی۔ ڈاکٹر سی، سی منٹلی کی رپورٹ (۱۹۲۷ء) کا بیان ہے کہ:-

"صرف بنگال میں ہر سال دس لاکھ آدمی مر رہے ہیں دس سال سے کم عمر کے بچے دس فیصدی مرجاتے ہیں یہ محض خراب خوراک سے بیماریاں پیدا ہوتی اور آدمیوں میں پھیلتی رہتی ہیں۔ گذشتہ سال ہیضہ سے ایک لاکھ بیس ہزار، ملیریا سے ۳۵ ہزار اور دق سے تین لاکھ پچاس ہزار (۳۵۰۰۰۰) آدمی مرے ہیں۔ اوسط یہ ہے کہ ہر سال ۵۵ ہزار حال کے پیدا شدہ بچے مرجاتے ہیں۔"

اب سرمایہ داروں کی آنکھیں کھلیں مگر اپنے فائدہ کے خیال سے جب سرمایہ داروں نے دیکھا کہ مزدوروں کی صحت کی خرابی اور موتا سے ان کے کام میں حرج ہوتا ہے۔ اور ہوشیار مزدور ہاتھ سے کھونا پڑتا ہے تو ہر کارخانے والے نے اپنے ہسپتال کھلوائے ادویہ کا بھی انتظام خاصا کر دیا گیا ہے۔ ۱۹۲۶ء میں "کانگرس آف میڈیکل ریسرچ ورکرس" نے خاص توجہ سے کام کیا ہے اور مزدوروں کو بیماریوں سے محفوظ رکھنے کے لئے مختلف تدابیر سوچی جارہی

ہیں کیونکہ یہ اچھی طرح معلوم ہو گیا ہے کہ اگر مزدور کی تندرستی اچھی ہوگی
تو اس سے اچھے سے اچھا اور جلد سے جلد کام لیا جا سکتا ہے پھر بھی
فی الحال ہندوستان کے مزدوروں کی حالت بہت ابتر ہے - ان کو
کھانے کو نہیں ملتا اور کام بہت سخت کرتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ
بیماریوں کا شکار ہو جاتے ہیں اور ان میں سے زیادہ تر مر جاتے ہیں۔
سنہ ۱۹۳۶ء میں معلوم ہوا تھا کہ میلوں[۱] کے مزدوروں میں سے بیس فی
صدی کو دق کا مرض ہوا جن میں سے صرف ۲ فیصدی بچے اور ۹۸
فیصدی سے اموات کا رجسٹر بھرا گیا۔ مزدوروں میں اب کافی بیداری
پیدا ہو گئی ہے اور ادیبوں، شاعروں کے علاوہ مزدوروں کی انجمنیں،
اشتراکیت پسند ہندوستانی، مزدوروں کی خستہ حالی دیکھ کر ان کو
بیدار کر رہے اور ایک حد تک حکومت پر زور ڈال کر ان کے حقوق کی
نگرانی کی کوشش بھی کر رہے ہیں۔ اس تحریک کی ابتدائی جدوجہد
میں شہراب جی شاپور جی ایک نیک دل انسان کا نام زریں حروف
سے لکھنے کے قابل ہے جن کی کوششوں سے لاکھوں بلکہ کروڑوں
مزدور ہزاروں مصیبتوں سے بچ گئے اور حکومت نے مزدوروں کے
لئے بہت سے قانون نافذ کئے[۲]
حکومت ہند اب یہ بھی محسوس کرنے لگی ہے کہ دیہی کاروبار کے

---

[۱] MILLS

[۲] "ابتدائی فیکٹری قوانین" صفحہ ۱۹۴ انڈین ایئر بک۔

زندہ کئے بغیر موجودہ بے چینی اور بیکاری کا علاج ناممکن ہے۔ جا بجا دیہات سدھار کی کوشش کی جا رہی ہے لیکن اس کے ماسوا ہمیں صنعتی تعلیم اور صنعتی اداروں کی بھی ضرورت ہے جو نہ صرف قلیل تعداد میں دیہات میں قائم کئے جائیں بلکہ سائنس کے اعلیٰ اور جدید طرز پر شہروں میں بھی قائم ہوں اور دیسی صنعت و حرفت کو ترقی دی جائے۔

افسوس خود ہندوستانی بھائی ہندوستانی صنعت و حرفت کی ترقی کے لئے کوشش نہیں کرتے۔ اگر ان سے یہ کہا جائے کہ ہندوستان کی حالت بہت خراب ہے اس لئے آپ سے جہاں تک ہو سکے وہ کپڑا پہنئے جس کو ہاتھ سے کاتا اور ہاتھ سے بنا جاتا ہے تاکہ آپ کی بھی بچت ہو اور ایک بڑا کام یہ ہو کہ غریبوں کی مدد بھی ہو اور ساتھ ہی ساتھ ہندوستان کی صنعت و حرفت میں آہستہ آہستہ ترقی ہو تو ہزاروں اعتراض کئے جاتے ہیں اور کبھی ٹھنڈے دل سے اس کی طرف کوئی خیال نہیں کیا جاتا۔ میں ذیل میں ایک تقریر درج کرتا ہوں جس سے آپ کو معلوم ہوگا کہ ہندوستان کی تجارت اور صنعت و حرفت کو بیرونی ممالک کے لوگ کس حسد سے دیکھتے ہیں اور اس کے ارتقا کو شروع ہی سے نقصان پہنچانا چاہتے ہیں اس حالت میں ہم لوگ ہندوستان کی ترقی کی کوشش نہیں کریں گے تو کیا کوئی ہندوستان کے باہر سے آئے گا؟

۱؎ ۱۸۷۵ء میں مسٹر ہڈسن نے دار العوام میں تقریر کرتے ہوئے کہا "ہم کو یہ امر ہرگز فراموش نہیں کر دینا

چاہئے کہ ہندوستان میں خام پیداوار کا کثیر ذخیرہ موجود ہے اور مزدوری کا نرخ کم ہے ۔ ایسی صورت میں اگر ہم وہاں کے مزدوروں کو ۱۶ یا ۱۷ گھنٹے روزانہ کام کرنے سے باز نہ رکھیں گے تو ہم ان کو اپنے ہی ملک کے کاروباری لوگوں کے مقابلہ میں بے جا فائدہ اٹھانے کا موقع دیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کی پیداوار کی قیمت ہماری پیداوار کی قیمت سے کم ہوگی ۔ اور ممکن ہے کہ ان کے کپڑے ہمارے ہی بازاروں میں آکر مانچسٹر کے مقابلہ میں ارزاں فروخت ہونے لگیں۔"

ایک اور تقریر کا کچھ حصہ ملاحظہ ہو جو ۲۸ فروری ۱۸۷۷ء کے ٹائمس آف انڈیا میں شائع ہوئی تھی ۔ "اگر یہ (ہندوستانی) پیشہ ور اسی طرح ترقی کرتے رہے تو اندیشہ ہے کہ ہندوستان کی تمام تجارت ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گی ۔ اس لئے اس وقت ہمارا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ اس نوخیز پودے کو جڑ پکڑنے سے پہلے ہی اکھاڑ کر پھینک دیا جائے ۔"

ہمارے وطن کی زراعت، تجارت اور صنعت و حرفت سب برباد ہو رہی ہے ۔ مزدوروں کی حالت کسی طرح قابل اطمینان نہیں۔ کسانوں کی حالت ناگفتہ بہ ہے مغربی تعلیم کی بدولت ہندوستان کے تعلیم یافتہ افراد بھی بے کار پھرتے ہیں اجنبی سیادت، جاگیرداری ساہو کاری، زمینداری اور سرمایہ داری ہندوستان کے مفلسوں اور بے کسوں کا خون چوسنے کے لئے موجود ہیں اور ہماری سیاسی، معاشی اور معاشرتی

حالت کسی طرح بھی درست نہیں۔ اس لئے ضرورت ہے کہ لوگ جاگیں اور بیکاری کا انسداد اور صنعت و حرفت کی ترقی کی کوشش کریں۔

ہندوستان کے باشندوں کی قلیل آمدنی اور پست معیارِ زندگی

ہندوستان میں اس قدر افلاس پھیلا ہوا ہے کہ یہاں کے ۸۰ فیصدی خاندان ناقابل اطمینان زندگی گزار رہتے ہیں۔ ان مصیبتوں کے علاوہ ہندوستان میں ایک بڑا عذاب یہ ہے کہ لوگ متحد نہیں ہوتے۔ ہر شخص ایک ٹانگ کا گھوڑا دوڑاتا پھرتا ہے کہ میں بھی ہوں شاہسوار۔ سرمایہ دار اپنے فائدوں کو مدِنظر رکھ کر مزدوروں کو آپس میں لڑا دیتے ہیں شورشیں پھیلاتے ہیں اور اپنے مخالفین کو نیچا دکھانے کے لئے ان لوگوں کے مخالفین کے جذبات بھڑکا دیتے ہیں اور کئی طریقوں سے یہ التزام کیا جاتا ہے کہ ہندوستانی متحد نہ ہوں کیونکہ ایسی حالت میں بہت ممکن ہے یہ لوگ "بندگی" اور "جی حضوری" کا جوا اپنے کاندھے سے اتار پھینکیں۔ مگر افسوس ہمارے بھائی اس نازک حالت میں بھی اتحاد و یگانگت کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتے۔ شامتِ اعمال ما صورتِ نازک گرفت!!

اب ذرا سنئے کہ دوسرے ممالک کے مقابلہ میں ہندوستان

کے باشندوں کی سالانہ آمدنی کیا ہے اور اس آمدنی سے کیا یہ ممکن ہے کہ آپ اعلیٰ معیار کی زندگی گزار سکیں۔ آمدنی ہی سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ ہندوستانیوں کی اس قدر قلیل آمدنی ہونے پر وہاں کے باشندے کس معیار کی زندگی گزار سکتے ہیں۔

پروفیسر فنڈلے شیراس نے کچھ عرصہ قبل مختلف ممالک کی فی کس سالانہ آمدنی کا اوسط نکالا تھا جو ذیل کے اعداد و شمار کے ملاحظہ سے معلوم ہوگا:۔

ملک		فی کس سالانہ آمدنی	
برطانیہ	تقریباً	۱۰۱۰	روپے
فرانس	"	۵۴۵	روپے
جرمنی	"	۵۱۹	روپے
اٹلی	"	۳۱۹	روپے
جاپان	"	۱۸۶	روپے
ہندوستان	"	۶۳	روپے

اسی سلسلہ میں پروفیسر شیراس لکھتے ہیں:۔

"شرق و غرب میں آمدنی کے اس فرق کا بڑا سبب مشرقی ممالک میں اجرت کی کمی ہے اور اجرتوں کی کمی کا سبب محض یہ نہیں کہ مشرق اور مغرب میں کارخانوں کی اجرتوں کے درمیان بہت غیر متناسب فرق

ہے بلکہ اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ مشرقی ممالک میں زراعت کا پیشہ اب تک سب سے زیادہ عام ہے اور زراعتی کام کرنے والوں کی اجرتیں بہت کم ہیں"۔

مشرق اور مغرب میں آمدنی کے اس فرق کی وجہ خواہ کچھ ہو ہندوستان کی حالت یقیناً قابل رحم اور بہت جلد قابل غور ہے۔ پروفیسر شیراس نے ایک ہندوستانی کی سالانہ آمدنی کے اوسط کا جو اندازہ لگایا ہے ہندوستان کے ماہرین اقتصادیات اسے درست تصور نہیں کرتے، ان کا اندازہ اس سے بھی کم ہے لیکن اس "زیادہ اندازہ" کو بھی تسلیم کر لیا جائے تو کوئی محب وطن ہندوستانی اپنے پیارے وطن کے ہولناک افلاس پر آنسو بہائے بغیر نہیں رہ سکتا اور اس کی کوشش یہی ہو گی کہ سب ہندوستانی متحد ہو کر اپنے وطن کی سرزمین معصوم کو خطرۂ عظیم سے نکالیں اور اس کی حالت درست کریں، پھر یہی پانچ روپے چار آنے ماہوار کمانے والے بیرونی مال کی قیمت چالیس کروڑ پونڈ سالانہ ادا کرتے ہیں۔ ہندوستان کا افلاس یہاں کی بے روزگاری اور بے چینی بہت تکلیف دہ ہے اور یہ حالت روزانہ بڑھتی ہی جاتی ہے۔ میں تو ہندوستان کی حالت پر غور کرتے وقت بہت آنسو بہاتا ہوں مگر افسوس مجھ سا کمزور لیکن حقیقت آشنا، دردمند اور مجبور، جذبات سے بھرا ہوا لیکن بھائیوں کی امداد کیلئے کیسۂ زر سے خالی رونے والا مگر کام کیلئے تیار اور حساس دل ہر ایک کے

پہلو میں نہیں! ملکی و بیرونی سرمایہ داری ہندوستان کی حالت روز بروز بدتر کئے دے رہی ہے۔ سچ پوچھئے تو ہندوستان کی حالت بہت زبوں اور رلا دینے کے لئے کافی ہے۔ مگر مادرِ ہندوستان جس نے رانا پرتاپ، علاء الدین، اکبرِ اعظم اور غازی اورنگ زیب عالمگیر جیسے جلیل الشان بادشاہوں کی بھارت ماتا کا نیا روپ یہ ہے جسے دیکھ کر آنسو نکلتے ہیں ؎

ایک ننگی لاش بے گور و کفن ٹھٹھری ہوئی
مغربی چیلوں کا لقمہ خون میں تھتھڑی ہوئی
ایک قبرستان جس میں ہوں نہ ہاں کچھ بھی نہیں
ایک بھٹکی روح ہے جس کا مکاں کوئی نہیں

اس زمینِ موت پروردہ کو ڈھایا جائے گا
اک نئی دنیا نیا آدم بنایا جائے گا

حصّہ چہارم

سرمایہ، سرمایہ دار اور سرمایہ داری

حصۂ چہارم

باب اوّل

سرمایہ، سرمایہ دار، سرمایہ داری

ہم نے ایک باب میں سرمایہ داری پر "ابتدائیہ" یا تمہیدی مضمون لکھنے کے بعد یہ بتایا کہ دنیا کے چند بڑے ممالک میں سرمایہ داری کی کیا صورت ہے پھر مادر وطن کی خستہ حالی پر ایک مختصر حصۂ کتاب میں روشنی ڈالی اب ہم سرمایہ، سرمایہ دار، سرمایہ داری، اس کا حل اور ان مضامین کے متعلقات پر یکے بعد دیگرے تفصیل کے ساتھ بحث کریں گے .. .. .. مگر اتنی تفصیل کے ساتھ جو اس مقالہ کے شرح وبسط سے موافقت رکھے ورنہ یوں تو تفصیل کے ساتھ ان مضامین پر سات سات جلدیں بھی قلم بند کی جا سکتی ہیں۔

میں نے اپنے بچپن میں ایک بزرگ کی بابت ایک قصہ سنا ہے کہا جاتا ہے کہ ایک بزرگ ہمیشہ برہنہ رہا کرتے تھے ان کے مقلدین و معتقدین کی بڑی تعداد ہر وقت ان کے ساتھ رہتی

مگر ان لوگوں کو اپنے پیر صاحب کو ننگا دیکھ کر بہت شرم آتی چنانچہ ایک مرید نے اقتضائے شرم سے پیر صاحب کے پاس جاکر دست بستہ کہا۔

"یا شیخ! لوگ آپ پر اعتراض کرتے ہیں اور ہمیں شرم آتی ہے خطا معاف آپ عریانی ترک کر کے کپڑے استعمال کرنا شروع کر دیجئے"

پیر صاحب نے کہا "بابا کیوں دنیا کے بکھیڑوں میں پھانستے ہو میں نے کپڑے پہننا شروع کیا اور دنیا کی چیزوں میں پھنسا۔ خیر تم مانتے ہی نہیں تو میں کل سے کپڑے پہننا شروع کر دیتا ہوں" چنانچہ پیر صاحب نے دو جوڑے کپڑے اور ان کے رکھنے کے لئے ایک بڑا رومال سینے کے لئے قینچی اور سوئی تاگا فراہم کیا۔ پیر صاحب ایک جوڑا استعمال کرتے اور ایک جوڑا رومال میں لپیٹ کر رکھ دیتے مگر پیر صاحب اس رومال کو جہاں بھی رکھتے ایک چوہا آکر کپڑے کاٹ ڈالتا انھوں نے اپنے مریدوں سے شکایت کی تو ایک مرید نے اپنے مکان سے ایک بلی لادی تاکہ چوہوں کو کھا جایا کرے۔ پیر صاحب نے جب دریافت کیا کہ یہ کھائے گی کیا تو دوسرے مرید نے ایک بکری لا باندھی تاکہ اس کا دودھ دوہ کر بلی کو پلا دیا جایا کرے۔ پیر صاحب نے پھر یہ کہا کہ بکری کھائے گی تو ایک مرید نے کہا حضور اس کو میں روزانہ گھاس لا کر ڈال دیا کروں گا۔ پیر صاحب نے کہا کہ دیکھو تم نے مجھے دنیا کے جھنجھٹ میں پھانس دیا اب میری عبادت میں فرق آئے گا۔"

اس قصہ کی صداقت و تکذیب سے ہمیں کوئی بحث نہیں مگر اس

عام طور سے ایک خاص نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ سب لوگوں کا خیال ہے کہ دنیا عالمِ اسباب یا یوں کہئے کہ عالمِ مادیت ہے۔ جو دنیا اور دنیا والوں سے تعلقات رکھے گا اسے مادی چیزوں سے سابقہ پڑتا رہے گا اور ان مادی چیزوں کے حاصل کرنے اور استعمال کرنے کے لئے اسے اسباب وعلل سے بھی واسطہ پڑے گا اور جیسے جیسے وقت گذرتا جائے گا اس کی ضرورتوں اور مادی اشیاء کے حاصل کرنے کے لئے اسباب وعلل پر غور وخوض میں ترقی اور وسعت ہوتی رہے گی۔ ایک بچہ پیدا ہوتا ہے تو اسے دودھ اور ماں کی نگرانی کی ضرورت ہوتی ہے لیکن نہ تو وہ بول سکتا، نہ ضرورت کو ظاہر کرسکتا۔ جب وہ کچھ بڑا ہوتا ہے تو وہ لوگوں کو بولتا ہوا سن کر خود بولنے کی کوشش کرتا ہے، بڑوں کے حرکات وافعال کی اپنی طفلانہ حیثیت کے موافق نقل کرتا ہے۔ اس وقت اسے ماں کی ممتا، باپ کی شفقت اور بھائی، بہن، رشتہ داروں کی محبت کی ضرورت ہوتی ہے مگر اب بھی وہ اپنے ان خیالات کو ظاہر نہیں کرسکتا۔ ماں اس کی دیکھ بھال کرتی ہے ورنہ وہ خود تو اس وقت اپنے کپڑوں کی بھی پروا نہیں کرتا۔ جب بچہ اور بڑا ہوتا ہے اور سمجھدار ہوتا ہے وہ کپڑے بھی مانگتا ہے۔ کھانا بھی مانگتا ہے اور بازار سے "چیز" خریدنے کے لئے پیسہ بھی مانگتا ہے۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ مجھے گود میں لے لو اور یہ بھی کہتا ہے کہ مجھے پیاس لگ رہی ہے پانی پلا دو۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ بازار تماشہ دکھانے

چلو اور وہ یہ بھی کہتا ہے کہ آؤ میرے ساتھ کھیلو۔ اس کے بعد بچہ پڑھنے
کے لئے کتابیں اور لکھنے کے لئے کاپی، قلم، سیاہی، دوات وغیرہ مانگتا
ہے اور اپنی چیزیں اپنے قبضہ میں رکھنے کے لئے بکس، تالے اور کنجی کی
بھی اُسے ضرورت ہوتی ہے اس طرح جوں جوں زمانہ گذرتا جاتا ہے
انسان کی ضروریات بڑھتی جاتی ہیں۔ یہی حال قوموں کا ہے (کیونکہ
قوم بھی افراد کا مجموعہ ہے) چنانچہ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جو انسان کی ضروریات
اس کے زمانہ میں ہوتی ہیں وہی ضروریات اس کی آئندہ نسل کی نہیں
ہوتیں، آجکل بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ایک صدی پہلے کی چیزیں، لباس
تہذیب، الفاظ وغیرہ سب متروک ہیں اور آئندہ نسل ہماری تہذیب
و تمدن اور ہمارے طرز زندگی کو برا کہہ کر بیٹھے گی۔ نیز یہ کہ جو چیزیں
سائنس کی ترقی کے سبب آج ہمیں میسر ہیں۔ تین صدی پہلے کے
انسانوں کے خواب و خیال میں بھی نہ تھیں جو حالات اب ہیں تین صدی
پہلے نہ تھے اور یہی حال آنے والی نسل کا ہوگا کہ اشیاء و حالات
میں بہت زیادہ ترقی ہو جائے گی۔

دنیا کی معاشی تاریخ بھی، اسی طرح، چار دور پیش کرتی ہے جو
شروع سے آج تک معرض وجود میں آئے اور ہر ایک میں ترقی ہو کر
دوسرا دور اپنے سے پہلے سے زیادہ شائستہ اور تہذیب و
ترقی یافتہ ہوا۔ یہ مختلف دور اس طرح تقسیم کئے گئے ہیں:-

(۱) شکار و وحشت کا زمانہ

(۲) دورِ گلہ بانی

(۳) زراعتی دور اور

(۴) تجارتی و صنعتی عہد۔

سب سے پہلے انسان بالکل وحشی جانور کی طرح ننگا رہتا اور درختوں کی جڑوں، پتیوں، پھول پھلوں اور جڑی بوٹیوں پر گذارہ کرتا تھا۔ اس کے بعد اوزار بنا کر شکار کرنا اور جانور کا گوشت کھانا سیکھ لیا لیکن اس کی بربریت کا حال وہی رہا۔ یہ معاشی تاریخ کا پہلا دور ہے۔ اس زمانے میں انسان شکار کرتا اور گوشت کھاتا تھا لیکن گوشت کو محفوظ رکھنے کا کوئی بندوبست نہ تھا اس لئے ہمیشہ تازہ شکار کرنا پڑتا تھا۔

اس دور میں جب کوئی شخص بیمار پڑتا اور شکار کرنے کے قابل نہیں ہوتا تو وہ بیٹھے بیٹھے ہتھیار اور اوزار بناتا رہتا تھا۔ لوگ شکار کر کے لاتے اور اس کو گوشت دے دیتے۔ گوشت کے بدلے میں یہ شخص ان گوشت فراہم کرنے والوں کو ہتھیار اور اوزار دیدیتا تھا۔ تھوڑے عرصہ بیمار رہ کر یہ شخص ہتھیار و اوزار بنانے میں اس قدر مشاق ہوجاتا تاکہ لوگ اس سے یہی کام لیا کرتے اور اس کو گوشت مہیا کردیا کرتے تھے گویا یہ ہتھیار اور اوزار اس کا سرمایہ تھے جن کی وجہ سے اسے کھانے کو گوشت ملتا تھا۔ یہ سرمایہ کی ابتدا ہے۔ اسی سے لوگوں کو معلوم ہوگیا کہ ایک شخص کا انحصار دوسرے پر بھی ہوا کرتا ہے اور ایک کی خدمت سے دوسرے کی محنت کا پھل بدلا جا کر فائدہ

اٹھایا جاسکتا ہے۔

اس کے بعد دورِ گلہ بانی آیا جبکہ لوگوں کی وحشت پہلے سے کم ہوگئی تھی اور وہ شکار کی کمی کی وجہ سے غذا کا مستقل انتظام کرنے کے لئے مویشی پالتے اور جماعت بندی کر کے گاؤں میں کچے اور بھونڈے مکانات بنا کر رہتے تھے۔ اس وقت ذاتی ملکیت کا مفہوم عام ہوگیا اور عملاً ذاتی ملکیت مستقل طور پر رکھی جانے لگی۔ یعنی ہر شخص یا ہر خاندان کے پاس ذاتی مویشی رہنے لگی جو ذرا سی نگرانی اور دیکھ بھال کرتا اس کی مویشی اچھی اور زیادہ ہوجاتی اور جو بے فکری سے کام لیتا اس کی مویشی کمزور اور آہستہ آہستہ برباد ہوجاتی تھی اور وہی غریب ہوجاتا اور اس شخص کی نسل غربت میں بسر کرتی۔

اس کے بعد زراعتی دور آیا۔ شکار کے زمانہ اور دورِ گلہ بانی میں بھی عورتیں معمولی طریقے سے کھیتی باڑی کرتی تھیں لیکن اس میں آہستہ آہستہ ترقی ہوتی گئی اور جب یہ ارتقا آخری منزل پہ پہنچ گیا تو اس زمانہ ہی کو زراعتی دور کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔ زمین پر پوری جماعت کا قبضہ ہوتا تھا مگر مکانوں، مویشیوں اور منتقل ہونے والی اشیاء پر خاندان کا۔

ان تین دوروں میں اشیاء استعمال پر جماعت یا خاندان کا ذاتی تصرف ہوتا تھا اس وقت انفرادی ملکیت کا کوئی خیال نہیں تھا۔ پہلے زمانہ میں ایک حصہ جماعت شکار کے لئے اور دوسرا حصہ ہتھیار

بنانے کے لیے مقرر تھا۔ دوسرے دور میں مویشی خاندانوں کی ہوتی تھی
ایک خاندان کے پاس قبضہ کرنے پر ضرورت سے زیادہ مویشی ہوجاتی اور دوسرا خاندان
اس لحاظ سے مقابلۃً غریب ہو جاتا تیسرے دور میں زمین پر جماعت
کا اور مویشی و متحرک اشیاء اور مکانوں پر خاندانوں کا قبضہ ہوتا تھا
اور پہلے ہی کی طرح احتیاط و بد احتیاطی سے خاندان یا جماعت کی
تونگری و غربت واقع ہوتی تھی۔ دوسری جماعتوں پر حملہ کرکے شکست
دی جاتی اور ان کو غلام بنا لیا جاتا مگر ہر چیز پر خاندانی یا جماعتی تصرف
تھا انفرادی نہیں۔

جب انسانوں کی ضرورتیں بڑھیں اور سکہ ایجاد ہوگیا اسوقت
معاشی حالت تبدیل ہوگئی۔ سکہ ایجاد ہونے سے پہلے جو مصیبتیں واقع
ہوتی تھیں وہ دور ہوگئیں۔ پہلے ایک شخص اپنی محنت سے حاصل کی
ہوئی چیز دوسرے شخص کو دے کر اس کی بنائی ہوئی چیز خود لے لیتا تھا۔
سکہ بننے کے بعد سے یہ لین دین اس طرح ہوگیا کہ ایک شخص اپنی بنائی
ہوئی چیز ضرورت مند کو دے کر اس سے چند سکے لیتا تھا اور ان
سکوں سے اپنی ضرورت کی چیز دوسرے سے خرید لیتا تھا۔ اسی طریقہ
سے لین دین براہ راست سکوں میں ہونے لگا۔ اسی زمانہ میں لوگ کپڑا
بھی بنتے اور مچھلیاں بھی پکڑتے تھے جو قریب کے جزیروں اور ملکوں میں
بھیجدی جاتی تھیں اور وہاں کی کوئی خاص چیز منگالی جاتی تھی یا پھر
سکے لے لیئے جاتے تھے۔ اس زمانہ میں جس شخص نے بین الاقوامی

تجارت اور زراعت وغیرہ میں زیادہ سمجھداری سے کام لیا وہ امیر ہوگیا اور اس کے پاس سکوں کا ڈھیر ہوگیا جو اس کا سرمایہ تھا۔ اس سرمایہ سے وہ اشیاء ضرورت خرید کر اپنی حاجت پوری کرتا دوسروں کو ضروریات مہیا کر کے ان سے روپیہ حاصل کر کے اپنی دولت بڑھاتا تھا یہ دولت بڑھانے کا کام سرمایہ داری روپیہ سرمایہ اور وہ روپیہ والا سرمایہ دار کہلانے لگا۔

سکوں کے نہ ہونے سے پہلے دو باتوں کی ضرورت تھی:-

(۱) دو شخص آپس میں ایک دوسرے کی چیز لینے پر راضی ہوں۔

(۲) دونوں چیزوں میں مقابلہ کر کے دل کو مطمئن کر لیا جائے کہ جس چیز کی ضرورت ہے وہ فائدہ پہنچانے میں کسی طرح بھی اس چیز سے کم نہیں جو خود کے پاس ہو۔

فرض کیجئے "الف" کے پاس چاقو ہے اور "س" کے پاس مچھلی کی بنسی "س" چاہتا ہے کہ بنسی "الف" کو دے کر اس کا چاقو خود لے لے۔ اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ (۱) "الف" چاقو دے کر بنسی لینے پر راضی ہو جائے (۲) "الف" کو اطمینان ہو جائے کہ جتنا مفید چاقو تھا اسی قدر کارآمد بنسی ہوگی۔ جب یہ دونوں باتیں ہوں گی تو اشیاء مذکورہ کا تبادلہ ممکن ہو سکتا ہے

لیکن ایسا بہت کم ہوتا تھا کہ لوگ تبادلہ (EXCHANGE) جس باہمی مفاہمت ضرور اور ہمیشہ کر لیا کریں کیونکہ ایک چیز ہمیشہ دوسری چیز سے فائدہ رسانی میں متوازی نہیں ہوتی اس حالت میں زیادہ فائدہ پہنچانے

والی چیز کو ہر شخص قبول کر لیتا ہے اور قلیل افادیت والی چیز کوئی بھی قبول نہیں
کرتا اس سے روزانہ کی زندگی میں تبادلہ اشیاء میں بہت مشکل پیش آتی تھی
روپیہ نے اس کمی کو پورا کر دیا۔

روپیہ کے مصارف (FUNCTIONS OF MONEY)

(۱) ——— تجارتی اور صنعتی و حرفتی اشیاء کا تبادلہ روپیہ کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے مثلاً الف کے پاس دو بکریاں ہیں جو بہت زیادہ دودھ دیتی ہیں اور ب کے پاس ایک گائے ہے جو کم دودھ دیتی ہے اور س کے پاس بھی ایک کم دودھ دینے والی گاؤمیش ہے۔ الف گائے لینا چاہتا ہے ب بھینس لینا چاہتا ہے اور س بکریاں۔ الف ب کی گائے کی قیمت ادا کر کے اسے لے لے گا ب س سے بھینس خریدے گا اور س الف کی دونوں بکریاں خریدے گا۔ مصنوعات فروخت کرنی ہوں اور خام پیداوار خریدنا ہو تو روپیہ کے ذریعہ سے یہ خرید و فروخت آسانی سے ہو سکتی۔ روپیہ سب کے کام آجاتا ہے اس لئے اسے سب قبول کر لیتے ہیں۔ اور مال مصنوعہ بیچ کر اپنی ضروریات خرید لیتے ہیں۔

(۲) ——— روپیہ سے قیمت کا اندازہ ہو جاتا ہے مثلاً یہ کہ ہم کہتے ہیں کہ یہ کرسی سوا دو روپیہ کی ہے اور یہ میز چار روپیہ کی ہے اس سے یہ مطلب ہے کہ چیز کو دیکھ کر اسکی فائدہ مندی کا اندازہ روپیہ میں

قیمت بتا کر کیا جاتا ہے کہ یہ میزا اس قدر فائدہ پہنچا سکتی ہے جتنا فائدہ
کسی اور چاندی روپیہ کی چیز سے حاصل کیا جا سکے ۔

(۳) روپیہ ، جیسے کہ ہم پہلے کہہ آئے ہیں ، ذرا سی توجہ کرنے لوگ ، جمع
کر سکتے ہیں ۔ انھی جمع کئے ہوئے روپیہ سے ضرورت مند لوگوں کا روپیہ
کھینچا جا سکتا ہے اس طریقے سے کہ جب قیمت گری ہوئی ہو مال خرید
لیا جائے اور قیمت چڑھ جانے پر اسے بیچ دیا جائے اس طرح ضرورت
مندوں اور متوسط درجہ کے لوگوں کا (جو روپیہ جمع نہیں کر سکتے کیونکہ ان
کے پاس فاضل روپیہ نہیں ہوتا) روپیہ کھینچا جا سکتا ہے ، سود پر قرض
دیا جا سکتا ہے اور جمع کئے ہوئے روپیہ سے تجارت بہ غرض حصول
نفع کی جا سکتی ہے ۔ اس جمع کئے ہوئے روپیہ کو سرمایہ جمع کرنے والے
لالچی کو سرمایہ دار اور اسکی تجارت بغرض حصول نفع کو جس میں غریب
لوگوں سے کام لیا جائے اور معمولی اجرت دینے کی تکلیف گوارا
کی جائے ، سرمایہ داری کہتے ہیں ۔

(۴) ـــــ روپیہ قرض دیا جا سکتا ہے اور سود لگا کر خوب منافعہ حاصل
کیا جا سکتا ہے ۔ بغیر سود کے بھی نیک دل امرا قرضہ دیتے ہیں ۔ اس
لئے سکہ مستند ہونا چاہئے غیر مستند نہیں ۔

(۵) ـــــ بینک کھولے جا سکتے ہیں اور وہاں کاغذ کے نوٹوں اور
بینک کے چیکوں کو روپیہ کا قائم مقام بنایا جاتا ہے ۔ یہ کاغذ حکومت
کی طرف سے تسلیم کئے جاتے ہیں اس لئے ان کو لوگ بجائے روپیوں

کے لیے کرا اپنا کاروبار چلاتے ہیں۔

روپیہ (سکہ) جاری ہونے سے تجارت میں ترقی ہوتی گئی اور یہ چوتھا دور ارتقائے تجارت و صنعت کی وجہ سے تجارتی اور صنعتی و حرفتی دور کہلانے لگا۔ جیسا کہ ہم نے پہلے حصہ کے پہلے باب میں ذکر کیا لوگ پہلے اجرت پوری پوری ادا کر دیا کرتے تھے مگر اب سرمایہ دار مزدوروں کو اجرت پوری نہیں دیتے ان پر بہت زیادہ ظلم کرتے اور اوسط درجہ کے لوگوں کا روپیہ کھینچ لیتے ہیں۔

ہم مردوں، عورتوں اور بچوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ مختلف شعبوں، صنعتی اداروں اور کارخانوں میں محنت و مزدوری کرنے جاتے ہیں محنت کرنے کے بعد جو معاوضہ ان کو دیا جاتا ہے وہ اپنی ضروریات اس سے پوری کرتے ہیں۔ ہم پہلے بتا آئے ہیں کہ کئی صدیوں پہلے تک اسلحہ سازی، مویشی پروری، زراعت، پارچہ بافی اور تعمیر وغیرہ اس لیے کی جاتی تھی کہ اپنے خاندان یا اپنی جماعت کی ضروریات پوری کی جائیں لیکن اب ان کاموں کو نفع حاصل کرنے کے لیے کیا جاتا ہے یعنی ابتدا میں تو ملکیت جو جماعتی ہوتی تھی ضرورتاً قائم ہوئی تھی لیکن پیداوار و آمد و رفت کے ذرائع اور سکہ کے اجراء کی ترقی کے ساتھ ساتھ یہ نظام مستحکم ہوتی گئی اور بجائے اس کے کہ اس کی سختی میں کچھ کمی واقع ہو اضافہ ہوتا گیا اور سرمایہ انفرادی ہو کر رہ گیا۔ ہر شئی ترقی کے ساتھ ساتھ جہاں ایک طرف زندگی میں سہولتیں پیدا ہونے لگیں وہاں دوسری طرف

ہر فرد کی یہ کوشش ہونے لگی کہ اُن ذرائع پر اپنا اجارہ قائم کر کے خود
اپنی زندگی کو زیادہ سے زیادہ آرام دہ بنانے نتیجہ یہ ہوا کہ ان ترقیوں کا
فائدہ سارے سماج تک نہ پھیل سکا اور تھوڑے ہی آدمیوں تک پہنچ
کر آگے بڑھنے سے روک لیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک فرد
یا کسی افراد کی ایک خاص جماعت کے پاس تو اس قدر سرمایہ ہے کہ انھوں
نے اپنا کاروباری کارخانہ کھول لیا اور دوسرے انسان جو لالچ اور
دغا بازی نہ کر کے روپیہ نہ جمع کر سکے روپیہ حاصل کرنے کے لئے ان سرمایہ
داروں کے کارخانوں میں جا کر کام کرتے اور کچھ اجرت حاصل کر کے اپنے
کام نکالتے ہیں یہ لوگ مزدور کہلاتے ہیں۔ ذرا ٹھنڈے دل سے غور
کیجئے کہ ان سرمایہ داروں کا روپیہ بے ایمانی اور دغا بازی سے حاصل
کیا ہوا ہے یا ایمانداری و پاک بازی سے؟ پھر اس کے بعد ایک ثالث
کی حیثیت سے مزدور و سرمایہ دار کے تعلقات پر غور کر کے بالکل انصاف
سے کہئے کہ کوئی مذہب بھی اس کی اجازت دے سکتا ہے؟ کیا
ایک شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ پیٹ بھر کر اچھا اچھا کھانا کھائے،
زندگی کا ہر لطف اُسے حاصل ہو اور اس کے دوسرے بھائیوں کے
پاس ایک وقت کھانے کے لئے غذا، ایک اچھا پہننے کا جوڑا بھی نہ ہو اور
وہ بحیثیت مزدور کے اس سرمایہ دار کی خدمت کرے اور اس کے
ظلم سہے؟؟؟

کاروبار کی تنظیم

آج کل معاشی کاروبار میں مشینوں اور کارخانوں کی زیادتی کی وجہ سے اس قدر اضافہ ہوگیا ہے کہ بعض لوگ اس زمانہ کو "مشین کاری کا عہد" کہنے لگے ہیں۔

موجودہ کاروبار کے لئے چند باتیں بہت ضروری ہیں :-

(۱) قدرتی ذرائع

(الف) زمین، زمین کے اوپر کی چیزیں مثلاً گیس، ہوا، پانی اور زمین کے نیچے کی چیزیں، معدنیات وغیرہ۔

(ب) اچھے موسم، اچھی آب و ہوا۔

(۲) سرمایہ :

(۳) محنت کرنے والے مزدور۔

(۴) تنظیم کرنے والے اور مزدوروں میں کام بانٹنے والے منتظمین۔

(۵) جرأت تجارت، جسے روپیہ پیدا کرنے کا تہیہ (ENTERPRISE) بھی کہتے ہیں۔

(۶) لوگوں کی مانگ اور بازار میں ایسی قیمت ہر وقت رہنا جس سے کاروباری شخص کو فائدہ ہو۔ اور

(۷) ذرائع آمد و رفت، ارزاں، سہل اور سریع رفتار ہوں۔

آجکل یہ تمام سہولتیں سرمایہ داروں کو میسّر آجاتی ہیں، اسی وجہ

سے ان کی ترقی دن دونی اور رات چوگنی ہوتی جارہی ہے۔

اس طرح ایک طرف تو آسائش اور آسانیوں کے سامان چاہنے والا دولت مند طبقہ ہوگیا جو اپنے مفاد کی خاطر ترقیوں کو رضامندی کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور دوسری طرف خود محنت کرنے والے افراد کی لگاتار کوشش ہے کہ کسی طرح کام زیادہ، اچھا اور جلد کرکے اپنا بوجھ ہلکا کریں مگر مشینوں اور کلوں میں ترقی اور جدتوں کی وجہ سے ان کا بوجھ زیادہ ہوتا جاتا ہے اور جتنی مشینیں زیادہ ہوتی جاتی ہیں دستکاری لوگوں کو مجبوراً چھوڑنا پڑتی ہے بڑھئی، لوہار، جولاہے، موچی اور درزی غرض کہ ہر اہل فن کو اپنی روزی کا ذریعہ ہاتھ سے کھودینا پڑتا ہے اس سے لاکھوں کروڑوں آدمی بے روزگار ہوتے جاتے ہیں۔

پرانے زمانہ میں ہزاروں نہیں لاکھوں بوڑھی عورتیں آٹا پیس کر اپنی گذربسر کرتی تھیں مگر پن چکیوں (FLOUR MILLS) کی وجہ سے اب کوئی بوڑھی یا بیوہ عورت اس ذریعہ سے معاش حاصل نہیں کرسکتی۔ اس "مشین کاری" اور "کل داری" کے عہد پر ایک مشہور مصنف کے الفاظ میں "عوام کو اشیاء حاصل کرنے میں آسانی تو حاصل ہوگئی مگر یہ آسانی سب کچھ کھودینے اور بھوکے مرنے کی آسانی تھی۔"

اب سارا کام کلوں اور مشینوں کے ذریعہ ہونے لگا اور کلوں پر قبضہ مٹھی بھر دولت مندوں کا ہوگیا جنھوں نے کم مزدوری پر محنت

کرا کے اور مال سستے داموں بیچ کر اہل فن کو مجبور کر دیا کہ وہ اپنا کاروبار چھوڑ کر مزدوری کرنے لگیں لیکن ایک لعنت یہ تھی کہ ان مشینوں میں دس آدمیوں کے بجائے ایک ہی آدمی کی ضرورت تھی اس طریقہ سے بھی ہزاروں، لاکھوں افراد بے کار ہو گئے۔

یہ مشینیں اسی وقت تک چلتی ہیں جب تک ان کے مالکوں کو نفع ہوتا ہے اور جیسے جیسے دیگر ممالک میں ملکوں اور مشینوں میں اضافہ اور کاروبار میں ترقی ہوتی ہے ویسے ویسے وہ ممالک کم صنعت و حرفت کے ملکوں کو اپنے سامان کی خرید و فروخت کے لئے منڈی بنانے اور موقعہ پا کر آمادہ پیکار رہتے اور ان کو اپنا مقبوضہ بنا لیتے ہیں تاکہ اپنی تجارت کو فروغ دیں۔ بڑی بڑی خونیں جنگیں اس سرمایہ داری کی وجہ سے ہوتی ہیں اور "درخشاں فتوحات" کر کے غلام ملکوں کے باشندوں کو لوٹا، نوچا اور کھسوٹا جاتا ہے۔ وہاں کی صنعت کو برباد کر دیا جاتا ہے اور جو صنعت قائم رکھی جاتی ہے۔ وہ ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں جو فاتحین کے قبضہ میں رہیں۔

متذکرہ بالا سات سہولتیں جس سرمایہ دار کو حاصل ہوتی ہیں وہ بہت ترقی پا جاتا ہے۔ ہمارا عنوان کاروبار کی تنظیم ہے اور ان سات سہولتوں میں چوتھا نمبر منتظمین کا ہے لیکن یہ انتظام کرنے والے موجود نظام سرمایہ داری میں بہت اہم خیال کئے جاتے ہیں جن کو ہم اسی عنوان کے تحت بیان کریں گے۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ جس سرمایہ دار کو قدرتی ذرائع، سرمایہ، مزدور، اس کے سامان کی مانگ، ذرائع آمد و رفت پورے پورے میسر ہوں اور وہ تہیہ (ENTERPRISE) کر کے تجارت کرتا ہو اور اسکی تجارت اعلیٰ پیمانہ پر چلتی ہو، اس کے کارخانے میں انتظام کرنے والے اشخاص کو بہت اہمیت دی جاتی ہے ۔ میرا مطلب یہ ہے کہ اعلیٰ قسم کے کارخانوں میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ مزدور دن بھر کام میں مصروف رہتے ہیں ۔ پھر بھی شام کے وقت ان کو صرف پانچ آنے دیئے جاتے ہیں لیکن چند "صاحب بہادر" قسم کے افراد ادھر ادھر گھوم کر دیکھنے کے لئے مقرر کئے جاتے ہیں کہ مزدور ٹھیک کام کرتے ہیں یا نہیں وہ بیٹھے بیٹھے کرسی توڑا کرتے ہیں کچھ نہیں کرتے مگر ان کو تنخواہ پانچ سو روپے ماہوار ملتی ہے ۔ ایک ہی شخص کے کارخانے میں تو مالک خود منتظم ہوتا ہے مگر چند اشخاص کے سمجھوتہ والے کارخانوں میں جن کا نفع و نقصان مالکوں کو اپنے صرف کئے روپیہ کے تناسب سے اٹھانا پڑتا ہے --- (LIMI
TED COMPANIES) منتظمین دوسرے اشخاص ہوتے ہیں ۔ شروع میں تو البتہ ان کو کارخانہ کا انتظام کرنے، پروگرام بنانے اور مزدوروں کو کام تقسیم کرنے کی تکلیف گوارا کرنا پڑتی ہے مگر اس کے بعد وہ کرسیاں توڑتے اور اینٹھتے رہتے ہیں، کچھ کام نہیں کرتے، چلتے پھرتے نہیں بیٹھے بیٹھے حرص زیادہ کرتے رہتے ہیں اور مہینہ ختم ہوتے ہی پانچ سو یا ایک ہزار روپیہ ماہانہ لیتے ہیں اور مزدوروں کو دن رات کام کرنے پر بھی دس بارہ یا حد پچیس

تنخواہ دی جاتی ہے ذرا سوچیئے یہی انصاف ہے؟

ناظرین کی سمجھ میں مزدور، سرمایہ دار، سرمایہ داری اور منتظمین کا اصطلاحی مفہوم آگیا ہو گا اب سرمایہ داری کی تقسیم کریں گے، اور سرمایہ دار و فرد، اور مزدور و سماج کے عنوانات پر مضامین قلم بند کریں گے۔

سرمایہ داری کی تقسیم

سرمایہ داری کی ویسے تو لاکھوں شکلیں ہیں مثلاً ساہوکاری، زمینداری، جاگیرداری، کارخانوں کا نظام، بینک، ملازمت وغیرہ وغیرہ مگر ہم سرمایہ داری کی اشکال کی تقسیم اس طرح کرتے ہیں

(۱) ساہوکاری اور بینک۔

(۲) زمینداری و جاگیرداری

(۳) کارخانوں کا نظام اور ٹھیکہ داری۔

(۴) گھریلو ملازمت اور اجنبی حکمرانوں کی ملازمت۔

ساہوکاری اور بینک

قرضہ۔ زراعت پیشہ لوگ، خوردہ فروش، تھوک فروش، دستی کام کرنے والے، کاروبار شروع کرنے والے اور ضرورت مند افراد کبھی مال اور کبھی روپیہ، بڑے کاروبار والوں سے لے لیتے ہیں اور ایک مقررہ وقت تک اُس سے کام نکال کر فائدہ حاصل کرتے

اور وعدہ کے مطابق معینہ وقت پر اپنا قرض ادا کرتے ہیں۔ قرض دینے والے ادارے ہندوستان میں خاص طور پر دو ہیں ساہوکار اور بینک۔ ساہوکار غریب لوگوں کو اُن کی تقریبوں اور زراعتی کاروبار کے لیئے قرض دیتے اور بہت زیادہ سود لیتے ہیں جو ہندوستان کے افلاس میں اضافہ کر دیتا ہے۔

پیداواری اور غیر پیداواری قرض

استعمال کے مطابق قرض کی دو قسمیں کی جاتی ہیں (۱) پیداواری اور (۲) غیر پیداواری۔ پیداواری قرض (PRODUCTIVE CREDIT) اس رقم کو کہتے ہیں جو قرض لے کر کاروبار میں لگا کر منافع پیدا کر کے بڑھالی جائے۔ یہ آسانی سے ادا ہو جاتی ہے۔ غیر پیداواری وہ رقم ہے جو کاروبار میں صرف کرنے کے لیئے نہ لی جائے جیسے کسان اپنی تقریبات شادی وغم کے لئے قرض لیتا ہے اور بجائے سرمایہ بنا کر نفع حاصل کرنے کے اس کو خرچ کر ڈالتا ہے یہ رقم بڑی مشکل سے ادا ہوتی ہے۔ ساہوکار (لین دین کرنے والے سرمایہ دار، جن کا روپیہ بقول ان ہی لوگوں کے " کرایہ پر چلتا ہے ") جب دیکھتا ہے کہ کسان اپنی تقریبوں میں لالے تللو سے خرچ کرتا ہے اور اس کی حالت اس قدر خراب ہے کہ وہ قرض آسانی سے ادا نہیں کر سکتا تو سود کی شرح بہت زیادہ ہو سکے

اور سود در سود کا طریقہ رہنے کے باوجود اپنی بہیوں کھاتوں میں بے
ایمانی کر کے رقم کو اس قدر بڑھا لیتا ہے کہ کاشتکار کئی مرتبہ زر اصل
ادا کر دیتا ہے تب بھی وہ قرضدار رہتا ہے۔ قرض کا بوجھ ساہوکار کا
تقاضا، دعوے اور قرقی کا خوف کاشتکار کو مجبور کر دیتا ہے کہ وہ
دھوپ میں تپ کر پسینہ اور خون کی سینچی ہوئی فصل کو سستے داموں
ساہوکار کے ہاتھ بیچ دے۔ ساہوکار غریب کسانوں سے ایک مرتبہ
دی ہوئی رقم کو کئی کئی بار وصول کرتے ان سے گاڑھے پسینہ کی کمائی
تھوڑے داموں میں خرید لیتے اور اپنے پاس سیکڑوں پھر ہزاروں
اور پھر لاکھوں کروڑوں سکے جمع کر لیتے ہیں جن میں ہر سکہ بے ایمانی،
دغا بازی، ذلالت، رکاکت، عیاری، مکاری اور ہاتک کی بخیل انسانی،
وحشیانہ آرزوئے حصول نفع کی شہادت دیتا ہے۔ یہ ہے ساہوکار
اور غریب قرض لینے والوں کا حال۔

بینک میں یہ بے ایمانی نہیں ہوتی وہاں انتظام بہت باقاعدہ
ہوتا ہے لیکن بینک صرف "شرفاء امراء" کے لئے ہوتا ہے وہ ان
ہی لوگوں سے لین دین رکھتا ہے "مسکین غریبوں" بیچاروں کا اس
میں گذر نہیں۔ ایسے ادارے جو کم شرح پر ایماندارانہ غریبوں کو قرض
دیں، کم ہیں۔ علاوہ ازیں بینک سرمایہ داروں کو قرض دے کر ان کو
کاروبار بڑھانے میں مدد دیتا ہے اور یہ سرمایہ دار مزدوروں کو کام
میں لگا کر ستاتے اور لوٹتے ہیں۔ ایک مختصر مگر جامع بات مجھے

بینک کی بابت یہ کہنا ہے کہ کسی ملک کا سنٹرل بینک حکومت کا نمائندہ ہوتا ہے اور سب کام اسی حیثیت سے کرتا ہے[1]

زمینداری اور جاگیرداری

جاگیردار اس شخص کو کہتے ہیں جس کو ریاست زمین دیدے کہ وہ اس میں کاشت کرا کے فائدہ حاصل کرے اور ہر سال ایک مقررہ رقم بطور محاصل کے حکومت کو ادا کر دے اور زمیندار اس شخص کو کہتے ہیں جو خود درخواست دیکر حکومت سے کچھ قطعے زمین کے لے کر ان میں کاشت کرا کے نفع اٹھائے اور حکومت کو کچھ رقم ہر فصل پر بطور لگان کے دے۔ جاگیرداروں کی اولاد میں جاگیر قائم رہنے پر وہ بھی جاگیرداری کہلائی جاتی ہے۔ زمینداروں کی اولاد زمین قائم رکھے تو وہ لوگ زمیندار کہلائے جاتے ہیں۔ جاگیردار اور زمیندار خود زمین نہیں جوتتے بلکہ غریب لوگوں کو ملازم رکھ لیتے ہیں یہ لوگ کاشتکار ہیں یہی زمینوں کو تیار کرکے ان میں کاشت کرتے ہیں۔ یہ زمینداری اور جاگیرداری کا رواج ہندوستان میں بہت خراب ہے۔ یہ لوگ کاشتکاروں سے یہ وعدہ کرتے ہیں کہ تم زمین میں کھیتی باڑی کرو اور ہمیں ہر فصل پر ایک مقررہ رقم دیدیا کرو۔ یہ گویا ایک قسم کا ٹھیکہ ہے مگر کسانوں کے لئے بہت خوفناک ٹھیکہ ہے۔ ہم نے مفصل طور پر تیسرے حصے کے پہلے

---

[1] INTRODUCTION TO ECONOMICS BY JATHAR & BERI

باب "ہندوستان کا کسان" میں بتایا ہے کہ کسان کی حالت بہت
خراب ہے اور زیادہ تر اس کی فصلیں بگڑ جاتی ہیں پھر بھی اسے زمیندار
ساہوکار، سرکاری ملازمین وغیرہ کو بھرنا پڑتا ہے اور فصل اچھی ہو تو
حکومت سے لے کر زمیندار تک سب اپنے سے نیچے کے طبقہ کو کچلنا
اور لوٹنا چاہتے ہیں مگر کسان کا سب سے زیادہ نیچے کا طبقہ ہے اس
لئے سب بوجھ اسی پر ہی پڑتا ہے۔

دھوپ میں سب کچھ جھونکا ہوا سا رہ کر ہزاروں مشکلات کا مقابلہ
کر کے بڑی جانفشانی کے ساتھ غریب کاشتکار لہلہاتی ہوئی نظر
افروز، معصوم دھان کھیتیاں پیدا کرتا ہے۔ یہی پیداوار بڑھ کر
کروڑوں انسانوں کا پیٹ بھرتی ہے مگر ان کسانوں کا، جاہل اور سیدھے
سادھے غریب کسانوں کا زمیندار یا جاگیردار، ساہوکار اور سرکار
سب مل کر خون چوستے اور اپنا پیٹ بھرتے ہیں! یہ سب روپیہ
جو سرمایہ داروں کو عیش کراتا ہے غریب کسانوں اور بے کس مزدوروں
اور غریبوں سے کھینچ کھینچ کر جمع کیا گیا ہے لیکن کہا جاتا ہے کہ یہ
ہماری محنت کی کمائی ہے۔ کیا کوئی حق پرست کہہ سکتا ہے کہ یہ سرمایہ دار
بھی کچھ محنت کرتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ آپ نے دیکھ لیا کہ کس طرح جاگیردار
سرمایہ دار اجنبی راج اور ساہوکار مزدوروں اور کسانوں کو ٹھگتے ہیں
اور ایک طبقہ عیش کرتا ہے دوسرا طبقہ نان شبینہ کو محتاج رہتا ہے۔
کیا یہی انسانیت ہے؟ ——!

اگر ان سرمایہ داروں سے کہا جائے کہ تم لوگ اپنا سرمایہ سب پر تقسیم کردو تو کہیں گے کہ یہ تو ہمارا ذاتی سرمایہ ہے حالانکہ وہ غریبوں سے لیا گیا ہے اور اس حاصل کئے ہوئے سرمایہ سے اور روپیہ کھینچا جاتا ہے مگر کہا جاتا ہے کہ یہ ہمارا ہے۔ اگر یہی سرمایہ سب لوگوں پر تقسیم کیا جائے تو کوئی بڑا کام نہیں ان کا اس پر حق ہے سینٹ گریگری کہتا ہے:۔

"جب ہم ضرورت مندوں کے ساتھ حصہ بٹاتے ہیں تو ہم انہیں اپنے پاس سے کچھ نہیں دیتے بلکہ وہ ان کو خود ان کے حصہ میں سے دیا جاتا ہے انہیں دینا کوئی مہربانی یا عنایت نہیں ہے بلکہ ان کے قرضہ کی ادائگی ہے۔"

گھریلو اور نئے حکمرانوں کی ملازمت

یہ گھریلو ملازم اور نئے حکمرانوں کے ملازم (۱) غریبوں کو ستانے اور (۲) سرمایہ دار ہوتے ہیں۔ ستاتے تو اس طرح ہیں کہ گھریلو ملازمین اپنے آقاؤں کے قائم مقام بن کر قرض داروں کو مارتے گالیاں دیتے اور سخت کام لیتے ہیں۔ جاگیرداروں اور زمینداروں کے ملازم کسانوں کو روپیہ وصول کرنے کے سلسلہ میں مارتے ہیں اور اُن کو غلام سمجھ کر اُن سے سخت سے سخت محنت کا کام کراتے ہیں۔ ساہوکاروں کے ملازمین کسانوں سے اور کارخانہ والوں کے ملازم مزدوروں سے ایسا ہی برتاؤ

کرتے اور اُن کو بُلا بُلا کر لاتے اور کام میں حرج کرتے ہیں۔ یہی حال حکومت کے ملازمین کا ہوتا ہے یہ لوگ لگان وصول کرنے کے سلسلہ میں مقدمات میں اور سرکاری مطالبات میں کسانوں کو بڑی بری طرح ڈرا ڈرا کر رشوت لیتے ہیں اور ان پر ظلم کرتے ہیں جب میں ہندوستان کے کسان کے افلاس اور حکومت کے ملازمین کی رشوت ستانی اور جور و ستم کی بابت کچھ خیال کرتا ہوں تو مجھے بہت رونا آتا ہے اور ہر آنسو مزدوروں اور کسانوں کی ہمدردی مگر سرمایہ داروں کی طرف سے نفرت لئے ہوئے گرتا ہے۔

یہ لوگ سرمایہ دار اس طرح ہوتے ہیں کہ جن کو کم تنخواہ ملتی ہے وہ اکثر زمیندار ہو جاتے ہیں اور جن کو زیادہ مشاہرہ ملتا ہے وہ لوگ یا تو جاگیردار بنا دئے جاتے ہیں یا پھر کوئی کاروبار شروع کر دیتے ہیں اور کم تنخواہ پر مزدور رکھ کر خوب کام اُن سے لیتے ان کو غلام سمجھتے نفرت و حقارت سے دیکھتے اور ستاتے ہیں چھٹی نہیں دیتے۔ دھمکی دیتے ہیں کہ اگر کام چھوڑ دیا تو حوالات میں کس دیا جائے گا اور کام زیادہ لیکر معاوضہ بہت تھوڑا سا دیتے ہیں ان کے ذریعہ سے خوب کماتے اور آہستہ آہستہ بڑے سرمایہ دار بن جاتے ہیں۔ اب کہیں سرکاری ملازمین کو ذاتی تجارت سے روکا گیا ہے۔

ٹھیکہ داری

فرض کیجئے کہ آپ سرکاری ملازم ہیں اور سرکاری مکان میں رہتے

ہیں۔ آندھی آئی اور مکان کا ٹین کا چھپر اُڑ گیا۔ اس کے بعد بارش سے ایک حصہ دیوار گر پڑا۔ آپ نے رپورٹ کی اور سرکار نے ایک صاحب کو بھیج دیا کہ ہم نے ان کا معاہدہ ہو گیا ہے یہ پانچ سو روپے میں مکان کو درست کرا دیں گے۔

اب یہ ٹھیکہ دار صاحب پانچ سو میں سے تین سو روپے تو گھر جا کر رکھوا دیں گے اور دو سو روپے میں سامان لائیں گے دھوپ میں جھلس کر کام کرنے والے مزدوروں اور معماروں کو مزدوری دیں گے اور ممکن ہو گا تو ان میں سے کچھ بس انداز کر لیں گے اب یہ بتایئے کہ ان ٹھیکہ دار صاحب کو کیا حق تھا کہ سوا تین سو روپے یا تین سو جمع کر لیے بلکہ یہ کہیے کہ ہضم کر گئے اور ڈکار تک نہ لی۔ یہ شخص بیٹھے بیٹھے آپ کے بچوں سے باتیں ملاتا رہا آپ کے گھر کے پان چباتا رہا اس نے کیا کیا ہے کہ روپیہ لے؟ اس کو پانچ سو روپیوں میں سامان لانا اور باقی، مزدوروں کو دینا چاہیئے تھا کچھ روپیہ زیادہ سے زیادہ پانچ روپے اس کو خود لے لینا چاہیئے تھے کیونکہ اس نے مزدوروں سے کام لیا اور کام کی نگرانی کی ہے۔ لیکن یہ شخص غریب مزدوروں کے حقوق جبریہ چھین لیتا ہے اور ان کا روپیہ خود کھا جاتا ہے اور سرمایہ دار کہلانے لگتا ہے۔

یہ سب سرمایہ دار غریبوں اور بے زر عمال کا حق چھین کر خود امیر بن جاتے اور اعلیٰ پیمانہ پر انسانوں اور غریبوں کا روپیہ

کھنچنے لگتے ہیں یہ سرمایہ ان کا نہیں یہ سب غریبوں سے چھینا ہوا ہے
چنانچہ یہی خیال عیسائی پیشوا سینٹ بیسل (ST. BASIL)
اپنے الفاظ میں بیان کرتا ہے :-

"تم کس چیز کو اپنا کہتے ہو ؟ اور وہ تمہیں کس نے دی ہے ؟ تم تھیٹر کے ایسے تماشائیوں کی طرح ہو جو تھیٹر میں داخل ہوتے ہی دوسروں کو محروم کر کے تمام جگہوں پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں حالانکہ وہ سب کے بیٹھنے کے لئے بنائی گئی ہیں۔ امیر کس طریقہ سے دولت مند بن جاتے ہیں ؟ سوائے اس کے کہ وہ ان چیزوں پر قبضہ کر لیتے ہیں جو سب کی ملکیت ہیں۔ زمین تمام بنی نوع انسان کو یکساں طور پر دی گئی ہے کسی شخص کو اس چیز کو جو اس کی ضرورت سے زائد ہے اور مشترکہ ملکیت سے لی گئی ہے اپنا کہنا ہی نہیں چاہئے " ... ... اسی طرح وہ روٹی جو تم ضرورت سے زیادہ بچا کر رکھتے ہو بھوکے کا حصہ ہے وہ لباس جو تم الماریوں میں بند کر کے رکھتے ہو ننگوں کو ملنا چاہئے۔"

کارخانوں کا نظام
(FACTORY SYSTEM)

موجودہ زمانہ اور عہد قدیم کے سرمایہ و سرمایہ داری کا امتیاز خصوصی یہی نظام ہے۔ اس ترقی یافتہ شکل سرمایہ داری سے سرمایہ سرمایہ دار، منتظمین، مزدور و سرمایہ داری اور اس نظام کی مشکلات کا صحیح اندازہ ہو جاتا ہے۔

سرمایہ

سرمایہ علاوہ زمین کے سب دولت ہے جو ایک شخص کے قبضہ میں ہو اور اس سے وہ دولت پیدا کرے اور اس کام میں اوسط درجہ کے لوگ (PROLETARIATE) اور قدرتی ذرائع اس کی مدد کریں۔ سرمایہ کا مطلب اکثر لوگ صرف روپیہ سمجھتے ہیں کیونکہ وہ روپیہ کی شکل میں دیا جاتا اور روپیہ پیدا کرتا ہے۔ اگر ایک شخص کچھ روپیہ قرض لے کر اس سے خرچ کرنے کی چیزیں خرید لے اور ان کو استعمال کرے تو یہ روپیہ اس کا سرمایہ نہیں اگر وہ شخص اس روپیہ سے مشینیں، کلیں خریدتا ہے کارخانہ کھول کر مزدوروں سے کام لیتا ہے اور اسے قدرتی سہولتیں حاصل ہیں اور وہ اشیاء استعمالی بنوا کر فروخت کرتا اور نفع حاصل کرتا ہے تو یہ روپیہ سرمایہ ہوگا۔

اگر ہم یہ کہیں کہ "عثمان اینڈ کو" کا سرمایہ تین لاکھ پونڈ ہے تو اس سے یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ کمپنی

(۱) کام کرنے والے مزدوروں کو اجرت (جو کچھ بھی ہو) سالانہ دیتی ہے۔

(۲) پودے، اوزار، کلیں، مشینیں خریدتی ہے یا ان اوزاروں کو استعمال کرکے ان کو ایک مدت تک گھسا دیتی ہے جس سے ان کی

قیمت کم ہو جاتی ہے، کارخانے کے لئے عمارات و دکاکین خریدتی (یا کرایہ پر لیتی) ہے اور

(۳) خام پیداوار، مختلف دھاتیں، اشیاء بنانے کے لئے مول لیتی ہے اور ذرائع آمد و رفت میں روپیہ خرچ کرتی ہے۔

اس سب کا کل میزان تین لاکھ (۳۰۰۰۰۰) پونڈ ہے۔ یہ کل ملا کر سرمایہ کہلاتا ہے اور اس طرح وہ کمپنی کل تین لاکھ پونڈ کے سرمایہ سے تجارت کرتی اور نفع حاصل کرتی ہے۔ آجکل کے کارخانوں کی تجارت و حصول نفع بہت پیچیدہ ہے۔ موجودہ صنعت و حرفت کی تنظیم چند خاص آدمی مل کر کرتے ہیں جن کو ان ہی کی اصطلاح میں انٹرپرینیور (ENTERPRENEURS) کہتے ہیں۔

بعض وقت یہ کہنا مشکل معلوم ہوتا ہے کہ ایک چیز کو سرمایہ کہا جائے یا زمین   اس لئے یہ یاد رکھنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ جب انسان کی محنت قدرتی سہولتوں (زمین) سے ایک حد تک مل جائے تو اس نتیجہ کو سرمایہ کہیں گے۔ سرمایہ کی تین خصوصیات ہیں۔

(۱) مالی آمدنی بڑھا سکے۔

(۲) کچھ پیدا کر سکے اور

(۳) آئندہ نفع کی امید اس سے وابستہ ہو۔

سرمایہ کو مختلف صورتوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:-

(۱) مطابق اس کے استعمال کے۔

(۲) ذاتی ملکیت کے لحاظ سے
(۳) پائداری کے لحاظ سے
(۴) اُس کے استعمال کی حد (ESCOPE) اور انتخاب پیشہ کے لحاظ سے۔ دیگرہ وغیرہ۔

سرمایہ پس انداز کرنے کا نتیجہ ہوتا ہے سرمایہ کو بڑھانے میں اِن سے بہت مدد ملتی ہے :-

(۱) آمدنی سے کم صرفہ
(۲) خاندان کی محبت اور روپیہ جمع کرنے کی عادت
(۳) زندگی اور جائداد کے باقی رہنے پر یقین کامل ہو جانا۔
(۴) بینک اور سودی قرض کے لین دین میں سہولتیں
(۵) شرح سود

زندہ اور مردہ سرمایہ درکارل مارکس کا نظریہ

ہم موجودہ سرمایہ داری کے متعلق سب کچھ بتا آئے ہیں موجودہ زمانہ میں سرمایہ داری کی خصوصیت کارخانے اور مزدوروں اور سرمایہ داروں کا تعلق ہے۔

موجودہ زمانہ میں ہر کام کے لئے مشینیں بن گئی ہیں لوگ کارخانے کھول کر سرمایہ لگا کر نفع حاصل کرتے ہیں یہ چند سرمایہ داروں کا کارخانہ مزدوروں منتظمین ملازم رکھتا، خام پیداوار منگاتا مزدورد

سے منتظمین کے ماتحت کام کرانا، مشینوں سے مصنوعات تیار کرانا (PRODUCTION) اور ان کو فروخت کرکے نفع حاصل کرنا ہے۔

ہم کہہ آئے ہیں کہ سرمایہ سے مطلب ہوتا ہے جو کچھ رقم مصنوعات تیار کرانے میں مجموعی طور پر سرمایہ دار کی خرچ ہو جب چیزیں بن کر تیار ہو جاتی ہیں تو ان کو سرمایہ (خرچ کی ہوئی رقم) سے زیادہ قیمت میں فروخت کیا جاتا ہے اور یہ زیادہ قیمت ہی سرمایہ دار کا نفع ہوتی ہے۔

ہماری بیان کی ہوئی کمپنی کے نام کو لے کر اس خیال کی تفصیل بیان کریں۔ عثمان اینڈ کمپنی (یو اینڈ کو U. & CO.) کا سرمایہ تین لاکھ پونڈ ہے۔ اس کو اس طرح تقسیم کیا جاویگا :-

(۱) پودے، کلیں، اوزار، مشینیں، دکانیں و عمارات پر دو لاکھ سال بھر میں صرف ہوا۔ یعنی اگر نئی خریدیں تو اس قیمت پر خریدیں یا پہلے کی خرید کی ہوئی ہیں تو کلیں، اوزار اور مشینیں گھس گئیں ان کی مرمت کرائی گئی یا گھس کر ان کی کل قیمت میں سے اتنی قیمت گھٹ گئی۔ دکانیں اور عمارات دھوپ سے کالی ہو گئیں اور ان پر قلعی کرانے میں سب میں اتنی رقم صرف ہو گئی۔ وغیرہ وغیرہ۔

(۲) خام پیداوار، مختلف دھاتیں اشیاء بنانے کے لئے لی گئیں اور وہ مصنوعات میں تبدیل کر دی گئیں ان پر خرچ ہوا چالیس ہزار

پونڈ۔ ذرائع آمدورفت اور اشیاء تیار، خوردہ فروشوں اور تھوک فروشوں کو پہنچا کرنے میں صرف ہوا تیس ہزار پونڈ۔

(۳) بیس ہزار پونڈ منتظمین کو تنخواہوں میں دیا گیا اور مزدوروں کی اجرت میں صرف کرنا پڑا دس ہزار پونڈ۔

سب چیزیں گھس جاتی ہیں یا صرف ہو جاتی ہیں اس لئے ان کو کارل مارکس نے مردہ سرمایہ کہا (CONSUMABLE CAPITAL) اور کام کرنے والے گھستے نہیں یہ ہر سال اُسی تیزی رفتار سے کام کرتے جاتے ہیں اور اگر یہ کام نہ کریں تو سرمایہ دار ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں۔ یہ ہر سال "بغیر گھسے ہوئے" کام کرتے ہیں یا بغیر قیمت کم ہوئے۔ مگر آپ نے دیکھا کہ سب سے زیادہ اہم چیز، محنت مزدور پر کس قدر روپیہ خرچ ہوا اور مشینوں پر جو بغیر مزدوروں کے بیکار ہیں کس قدر۔ مزدور ہی کام کر کے اشیاء تیار کرتے اور ان کو فروخت کرنے کے قابل بناتے ہیں مگر جب تین لاکھ پونڈ کی اشیاء کی قیمت بارہ لاکھ پونڈ سرمایہ دار کو ملتی ہے تو اس میں سے مزدوروں کو صرف دس ہزار پونڈ دیا جاتا ہے یعنی ایک سو بیسواں حصہ کمانے والوں اور پیدا کرنے والوں کو ملتا ہے اور سرمایہ دار کچھ کام نہیں کرتا لیکن بارہ لاکھ پونڈ مفت میں کما لیتا ہے اس کو کیا حق ہے بارہ لاکھ پونڈ کی رقم خطیر کو سمیٹ کر رکھنے کا۔ اس میں زیادہ حق مزدور کا ہے لیکن اس غریب کو ایک سو بیسواں حصہ ملتا ہے اور سرمایہ دار

ہر سو پر چار سو کما لیتا ہے۔ آجکل سرمایہ داری میں یہ انصاف ہے! اسی سے متاثر ہو کر کارل مارکس نے اپنا نظریہ اشتراک (MARXISM OR SOCIALISM) پیش کیا لیکن سرمایہ داروں نے اس نظریہ کو اپنا مخالف دیکھ کر لوگوں کو پروپاگنڈہ کے ذریعہ اس سے اس قدر بدظن کر دیا ہے کہ وہ اس کا نام بھی نہیں سننا چاہتے۔ کارل مارکس مزدور کو زندہ سرمایہ (UNCONSUMABLE CAPITAL) کہا کرتا تھا اس نے اپنی زندگی مزدوروں ہی کی بہتری میں صرف کی۔

مزدور و سرمایہ دار

اب آپ نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ سرمایہ دار نفع چاہتا ہے اسی لئے اس کی خوشی ہوتی ہے کہ جس قدر ممکن ہو کم وقت اور کم سرمایہ میں زیادہ نفع حاصل ہو اس غرض سے وہ مزدوروں سے زیادہ کام لیتا ہے تاکہ کام جلد ختم ہو اور کم سے کم مزدوری دیتا ہے تاکہ سرمایہ کم خرچ ہو جب دو سرمایہ داروں میں مقابلہ ہوتا ہے تو ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ میرا مال زیادہ بکے اس لئے ہر سرمایہ دار چیزوں کی قیمت گرا دیتا ہے جس کی قیمت بہت کم ہوتی ہے مخلوق اسی سامان کو خریدتی ہے چیزوں کی قیمت گرنے پر سرمایہ دار مزدوروں کی قلیل اجرت کو بھی قلیل ترین کر دیتے ہیں پھر ان میں سے کوئی سرمایہ دار کمزور (یعنی کم سرمایہ والا) ہونے کی وجہ سے چیزوں کی کم قیمت کر دینے پر مقابلہ میں

پیشہ سے بیٹھ جاتا ہے اور اسے بڑے سرمایہ دار سے مل کر صنعتی کام کرنا ہوتا ہے یا پھر وہ تجارت کرنے کے قابل ہی نہیں رہتا ہزاروں مزدور بے روزگار ہو جاتے ہیں ہزاروں کی اجرت کا بقایا رہ جاتا ہے اور یہ لوگ دیوالیہ بن جاتے ہیں۔ اس طرح مقابلہ دو امیروں میں ہوتا ہے مگر غریب مزدور اس دوڑ میں پس جاتے ہیں۔

سرمایہ دار مزدوروں کو اپنے خلاف نہیں بولنے دیتے۔ ہڑتال کرتے ہیں ان کے سر پر ڈنڈا بجایا جاتا ہے ان کی اجرت کم کر دی جاتی ہے۔ ان کو حقارت کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے ان کے حقوق غصب کر کے خود سرمایہ دار بن جاتے ہیں اور غریب مزدوروں کو نانِ جویں کا انتظام بھی دشوار ہو جاتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ان کی قسمت میں ایسا ہی لکھا ہے اور ہماری تقدیر میں عیش اٹھانا ہے غضب خدا کا تقدیر اور مذہب اور خدا پر تہمت رکھی جاتی ہے نعوذ باللہ۔ مگر جب سرمایہ داری کے نظام کے خلاف کوئی آواز اٹھائی جاتی ہے تو لوگوں کو بہکا کر یہ کہا جاتا ہے کہ دیکھو یہ لوگ تقدیر اور خدا کے خلاف جاتے ہیں سوچئے تو خدا کے خلاف وہ لوگ ہیں یا راہ راست کی طرف بلانے والے یہ لوگ؟

سچ ہے سرمایہ داری ایک آندھی ہے جس کی زد میں طائرِ مفلس و دہقان کا نشیمن ہے یہ ایک بجلی ہے جس کی زد میں کاشتکار کا خرمن ہے۔ یہ اپنے ہاتھ میں فانوس تہذیب و عزت ملک لئے مزدور کے تن کا سب لہو

چوس جاتی ہے یہ مذہب کی آڑ لے کر مفلسوں اور بے زروں کو قتل کر ڈالتی اور کنشت و خانقاہ و کلیسا میں جاگزیں ہو جاتی ہے!

مزدور و سماج

باوجودیکہ مزدوروں اور کسانوں ہی کے دم سے افراد سماج پیٹ بھر کر کھاتے اور موٹروں، ریلوں، طیاروں میں اڑتے پھرتے ہیں لیکن افسوس سماج بھی ان غریبوں کے حال پر کوئی توجہ نہیں کرتا۔

جس طرح تجارت بڑھ کر دِق کی شکل اختیار کر لیتا ہے بالکل اسی طرح سرمایہ داری ترقی کرنے کے بعد شاہ پسند (IMPERIALIST) ہو جاتی ہے۔ سرمایہ دار اور حکومت کی تجارت میں مقابلہ ہوتا ہے سرمایہ دار جیت جائے تو وہ حکومت پر قبضہ کر لیتا ہے اور حکومت جیتے تو سرمایہ دار اس سے سمجھوتہ کر لیتا ہے۔ حکومت سرمایہ داروں کو قانون ساز مجلس میں اکثریت کے ساتھ نشستیں دیتی ہے اور سرمایہ دار حکومت کو روپیہ دیتے اور اس کی ماتحتی قبول کر لیتے ہیں اور پھر یہ باج گزار اور باج گیر دونوں غریبوں، مزدوروں اور کسانوں کو اپنا سرمایہ و خزانہ زیادہ کرنے کے لئے ستاتے ہیں اور سماج اس طرف کچھ توجہ نہیں کرتا حکومت و سرمایہ دار مزدوروں اور کسانوں کو لوٹ لیتے ہیں کیونکہ یہی ذریعہ آمدنی ہے!

کام لیں مزدور سے مزدور کو رلوائیں بھی
گر انہیں موقع ملے مزدور کو کھا جائیں بھی
بھوک سے مزدور کے بچے بھی بلکیں مائیں بھی
تف ہے سرمایہ پرستوں پہ کہیں مرجائیں بھی

جوانانِ قوم! جوانانِ وطن کس خوابِ غفلت میں پڑے ہوئے ہو کیا تمہیں یہ گوارا ہے کہ ہمارے ہم قوم و ہم وطن بھائی دکھی زندگی بسر کریں؟ خدا کرے میری آواز میری ساری قوم اور میرے سب بھائی سن لیں ؎

یہ خاموشی کہاں تک لذّتِ فریاد پیدا کر
زمیں پر تو ہو اور تیری صدا ہو آسمانوں میں
چھپا کر آستیں میں بجلیاں رکھی ہیں گردوں نے
عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں
نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والو
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

میرے وطن کے ہر بھائی سے میرا خطاب ہے کہ اگر وطن کے نوجوان میری آواز سن لیں تو میں سب سے پہلے اٹھوں گا اور خاک و خون کے سمندروں میں گھس کر اپنا قصر تیار کروں گا وہ میرا نہیں سارے وطن کا ہوگا ؎

ہو قیدِ مقامی تو نتیجہ ہے تباہی
رہ بحر میں آزاد وطن صورتِ ماہی
(اقبال)

میں اس مساوات کے گیت گاتا ہوں جہاں پہنچ کر سب اختلافات و
تفرقے مٹ جاتے ہیں جس کے سایہ میں ہندو، بدھ، مسلمان اور عیسائی
ہم دوش ہو جاتے ہیں میں اسی مساوات کا نغمہ سنج ہوں، رہا ہوں اور
رہوں گا۔ " " " "

مذہب؟ مذہب میرے سر آنکھوں پر لیکن دین و دنیا دونوں کے
لطف اٹھانا چاہیئے۔ لوگوں کے بہکانے سے مذہب کے غلط معنی
نہیں سمجھنا چاہیئے۔ غلط مذہب سمجھا کر اور اس کی آڑ لے کر سرمایہ دار
مزدوروں کا خون چوستا ہے اور زمیندار کسان کو موت کے غار میں
ڈھکیلتا ہے۔ تمہارا دل تمہیں سچے مذہب کی تعلیم دے سکتا ہے تمہارا
دل خود تمہارا مذہب ہے مردہ دیوتاؤں کہنہ عقیدوں اور بدعتوں
کی خیالی لکیر کے کب تک فقیر رہو گے تمہارا دل جو مشعل نور ہے تمہاری
اس کور چشمی پر حقارت سے ہنستا ہے۔ بڑے بڑے تاجدار اسی دل
کے آگے سر تسلیم خم کر دیتے ہیں۔

وہی تیرتھ ہے، وہی کعبہ، وہی کاشی ہے وہی یروشلم دیر و حرم،
کعبہ و کلیسا سب اسی دل کے اندر ہے عیسیٰؑ اور موسیٰؑ نے اسی
خانۂ دل میں بیٹھ کر حسن کی جھلک دیکھی تھی۔

یہی وہ میدان جنگ ہے جہاں کرشن نے گیتا کا ورد کیا۔ اسی
کوہ کے غار میں بیٹھ کر نبیوں نے حقیقت کے سمندر کی تھاہ پائی
یہی وہ کوہ ندا ہے جہاں گوتم بدھ نے مظلوم انسانیت کی آواز

بسنی اور اس کی نجات کی خاطر راج پاٹ تج دیا۔
اسی دل کے حرم میں بیٹھ کر مقدس رسول عربیؐ نے اپنا پیغام سنایا۔
ہمدم تو سچ جان کہ اِس دل سے بڑھ کر کوئی سجدہ گاہ نہیں۔ اسی کو منزل کہتے ہیں۔

ہر زمانہ میں، ہر جگہ، ہر نسل میں جتنے انسان ہوتے ہیں سب ایک ہی رشتہ میں منسلک ہوتے ہیں وہ سب انسانیت کے زمرہ میں شامل ہیں۔

مُلّا؟ برہمن؟؟ یہ تو بھی ہیں سرمایہ داروں کے مذہب پر چلتے اور تفرقہ ڈالتے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ــــــ پجاری! دروازہ کھول!! بھوک کا دیوتا دیر سے کھڑا ہوا ہے۔ اُٹھ کہ پوجا کا وقت ہوگیا ــــــ خواب میں یہ نداسن کر پجاری چونک کر اٹھ بیٹھا اور عبادت گاہ کا دروازہ کھول دیا سوچا کہ "دیوتا کا کرم ہو تو سب دلدّر دور ہو جائیں"۔

مسافر کے کپڑے تار تار تھے اور وہ بید مجنوں کی طرح لاغر تھا بھوک سے کانپتی ہوئی آواز میں بولا "بابا! سات دن کا بھوکا ہوں"۔
مگر دروازہ بند ہوگیا اور ہراساں بھکاری اندھیری رات میں جاڑے میں ہانپتا کانپتا دو قدم چلا اور پھر وہیں گر پڑا بھوک کی آگ میں وہ جلا جاتا تھا اس نے چیخ کر کہا۔
"دیوتا! یہ تیرا نہیں پجاری کا مندر ہے!"

کل مسجد میں کہیں سے کھانا آیا تھا۔ پلاؤ، قورمہ کی رکابیوں کو دیکھ کر
ملا کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اُسی وقت ایک مسافر آیا جس کا جسم تھکان
سے چور چور ہو رہا تھا بولا "ملا صاحب! کئی روز سے فاقہ کر رہا ہوں"
ملا نے دیدے نکال کر کہا "مردود! تیرے گناہوں کی سزا ہے
ملعون تو معتوب ہے نکل خدا کے گھر سے" فقیر نے آہ بھر کر کہا یا رب
اسّی سال کی مدت میں میں نے تجھے کبھی یاد نہیں کیا مجھے اس کا اعتراف
ہے تاہم یا خدا تیری رحمت! تیری رحمت کی تعریف میں کس منہ سے
کروں تو نے میری روٹیوں پر کبھی پابندی نہیں لگائی۔ تیرے مندر اور
مسجد پر یہ پنڈت اور ملا کو کیوں اختیار ہے؟ ان لوگوں نے کیوں قبضہ
جما رکھا ہے؟! ہلاکو، چنگیز، تیمور، غزنوی، بابر اور کالا پہاڑ
کہاں ہیں۔ ان عبادت گاہوں کے تالے کیوں توڑ کر نہیں پھینک
دیتے۔ خدا کے گھر پر تالا جڑنا۔ اپنے بھائی —— انسان کی وجہ
سے یہ تالا کیوں جڑا گیا؟ یہ زنجیر کیوں لگائی گئی"۔

آہ! اے عبادت خانو! تمہارے میناروں پر چڑھ کر منافقت
بے دردی اور نفس پرستی کا پرچم لہرایا جاتا ہے!

ہموطن اور ہم قوم بھائی! منافقت اور دشمنی سے بھاگ
دل سے دوئی کے پردے اٹھا دے تو پرماتما اور رام و کرشن کو مان
میں خدا و رسول پر اعتقاد رکھوں اور ان کو مانوں ہم دونوں دوئی
مٹا دیں اور بہکانے والوں کا کہنا نہ مان کر ایک ہو جائیں۔۔ آؤ سا

شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

میں مساوات کے گیت گاتا ہوں جنہیں سن کر دردِ انسانی سب کو ایک ہار میں گوندھ دیتا ہے۔ حاکم و محکوم؟ سرمایہ دار و مزدور؟؟ زمیندار و کاشتکار؟؟؟ کتنی سیدھی سادی بات ہے کہ جب سب ایک ماں کی اولاد سب ایک باپ کے بچے ہیں تو ان میں تفرقہ کیسی؟ ایک کی عزت دوسرے کی حقارت کیسی ایک کی شنوائی دوسرے سے بے پروائی کیسی؟؟؟ ہے

خلق خدا کی گھات میں رند و فقیر و میر و پیر
تیرے جہاں میں ہے وہی گردشِ صبح و شام ابھی
تیرے امیر مال مست تیرے فقیر حال مست
بندہ ہے کوچہ گرد ابھی خواجہ بلند بام ابھی

آہ! افسوس!! اگر انسان انسانیت کا مفہوم سمجھنے لگے تو دنیا سے تفرقہ، رنج و غم اور دشمنی یک قلم مٹ جائے اور شادمانی کے نقارے بجنے لگیں۔

... رعایا حاکم کی خالق ہے رعایا نہ ہو تو خزانہ ہائے عامرہ میں چوہے قلابازی کھائیں رعایا کی محنت کا روپیہ ملازمین کو تنخواہ کے طور پر دیا جاتا ہے کس لئے؟ صرف اس لئے کہ وہ افسر بن کر رعایا پر ظلم کریں جس کی جوتی اس کا سر۔ کیا یہی ہے انصاف؟ عدالتیں

روپیہ دینے والے سرمایہ داروں کے موافق اور بے زر مفلسوں کے خلاف مقدمات فیصل کرتی ہیں۔ امیر غریبوں کی اولاد اور بیویوں کو جو چاہیں کریں، غریب امیروں کی اولاد اور بیویوں سے بات تک بھی نہیں کر سکتے۔ ان کی کوئی نہیں سنتا ان کو کوئی منہ نہیں لگاتا۔ اس سماج کے باوجود لوگ مطمئن بیٹھے ہیں اور مغربی چیلوں سے اپنی لٹیا ڈبوا رہے ہیں۔ آہ! اے

دیارِ مغرب کے رہنے والو! خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرِ کم عیار ہوگا
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائدار ہوگا

ایک روز ریل میں دیکھا کہ ایک قلی کو بابو صاحب نے دھکا دیکر نیچے گرا دیا۔ یہ دیکھ کر دل بھر آیا۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کیا دنیا میں غریب یوں ہی ذلیل ہوتے رہیں گے؟ جو مزدور اپنے گوشت پوست کے ایندھن سے ریل چلاتا ہے وہ خود تو پٹریوں پر پڑا ہوا ہے ریل پر بڑے لوگ بیٹھے ہیں۔ کیا کہا؟ "تنخواہ دیتے ہیں" یہ کہتے ہوئے شرم بھی نہیں آتی مزدوروں ہی کی کمائی میں سے اس کو چند پیسے دے کر تم نے دولت کے انبار لگا لئے ہیں۔ سڑکوں پر موٹر، جنگل میں ریل، سمندر پر جہاز، فضا میں طیارے اور شہروں میں مشینیں یہ سب کس کے بنائے ہوئے ہیں اور کون ان سے دولت پیدا کرکے

نہیں دیتا ہے؟ تمہارے قصر و ایوان کس کے خون سے رنگے ہوتے ہیں؟؟ ان کی ایک ایک اینٹ پر کس کا افسانۂ درد کندہ ہوتا ہے؟؟ خاک کے ایک ایک ذرّہ کو اس کا راز معلوم ہے۔

کسان جو گمان کا دشمن اور یقین کا پتلا ہے، محنت جس کی سرشت میں ہے اور صبر و شکیب جس کا حصہ، اپنا جسم سال کے زیادہ حصہ میں دھوپ میں جلا کر اور پسینہ نہیں اپنا خون بہا کر کھلیاں تیار کرتا ہے جس وقت اس کی کھیتی پانی کی موتیوں جیسی بوندوں سے آسودہ، خوبصورت و دلاویز بالیوں سے بھری ہوئی لہلہاتی ہے تو اس کا دل موہوم اور بے بنیاد خوشی کے جذبات سے وجد کرنے لگتا ہے جس پر مستقبل ہنستا ہے۔

ایک کسان کی شادی ہوئی اس کی بیوی بہت حسین تھی اس کا حسن سادہ تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اس سادہ دل لڑکی نے بادۂ نسیم کے جام گاؤں کی خوشگوار فضا میں رہ کر پیئے ہیں۔ اس کے رخساروں پر ہلکی ہلکی سرخی رقص کرتی تھی، آنکھیں مخمور تھیں اور ہونٹوں پر دوشیزگی کی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

جس دن وہ بیاہ کر آئی اسی شام کو زمیندار (بابو صاحب) کے کارندے نے آکر گرجتی ہوئی آواز میں غریب دہقان کو پکارا "ارے مردود! نکلتا ہے یا اندر آکر جوتہ سنبھالوں"۔!؟

"جی جور (حضور)" کہتا ہوا بے کس کسان نکل آیا۔

"دیکھو بابو صاحب کی کلیانی (گھوڑی کا نام تھا) گھر نہیں

آئی جاؤ جلدی جنگل میں سے ڈھونڈھ کر لے آؤ دیر لگی تو خیر نہیں"۔

"سرکار!" دبی زبان سے بیچارے کسان نے کہا۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔

"میری تو آج شادی"

(ایک ڈنڈا مار کر) "خبیث۔ شادی کے بچے منھ کا زندہ —— توڑ دوں گا پکڑ کے ابھی جا گھوڑی ڈھونڈھ کے لا۔

"اچھا سرکار" (ٹھنڈی سانس بھر کر ڈنڈے کی چوٹ سہلاتا ہوا) کہہ کر مظلوم انسان جنگل کی طرف چلا۔

بے پروا تھا! اندھیری رات!! جنگل! جانوروں کی بھیانک آوازیں!! کیا تو بھی غریبوں کی باتیں نہیں سنتا ہے ایشور! تو تو میری مہنت سنتا ہے تو "میری کھیتی" کو اچھا کرتا ہے تو ہی میرے کام کاج سدھارتا ہے۔ پرنتو ہے بھگوان تیرا سنسار کیوں اتنا ظالم ہے؟" یہ درد میں بجھے ہوئے تیر تھے الفاظ نہیں۔

کسان غریب، اپنی نئی بیوی کو جس کی ارمانوں کی رات لاکھوں امیدیں لے کر آئی تھی چھوڑ کر جنگل چلا گیا۔۔ ۔ ۔۔ ۔۔ کوئی دو فرلانگ جھونپڑی سے گیا ہوگا کہ شیر نے لقمہ بنا لیا۔ افسوس! اگر زمیندار کی نئی بیوی آئی ہوتی اور اسے کوئی زبردستی جنگل بھیج دیتا تو اسے کسان کا درد ہوتا۔

درد کے الفاظ سرمایہ دار کیا جانیں ہم محکوم، حاکموں کے خزانے بھرتے ہیں۔ مزدور کانیں کھودتے، مشینیں بناتے اور جانفشانی

سے چلاتے ہیں۔ ان ہی کے دم سے رکشائیں، ہوائی اور بحری جہاز اور ریلیں جاری ہیں۔ کسان زمیندار اور جاگیرداری کے لئے نہیں بلکہ ساری دنیا کے لئے اپنا خون اور پسینہ ایک کرکے اناج پیدا کرتا ہے لیکن افسوس لکھتے وقت اور کہتے وقت آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا آتی ہیں کہ ظلم ان ہی غریبوں پر ہوتا ہے —— یہ ہیں سرمایہ داری کی "برکتیں"۔ جو دولت پیدا کرنے والے ہیں افسوس ان ہی کے حق کو مارا جاتا ہے اور آج ہی نہیں صدیوں سے یہ ظلم ہو رہا ہے

دستِ دولت آفریں کو مزد یوں ملتی رہی
اہلِ ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکات — زکوٰۃ

کسان اور مزدور اٹھ! ہاں اٹھ!! ہے

اٹھ کر اب سارے جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

* * *

کیوں گرفتارِ طلسمِ ہیچ مقداری ہے تو
دیکھ تو پوشیدہ تجھ میں شوکتِ طوفاں بھی ہے

ہاں اب مبارک ساعت آ پہنچی —— قرض میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے اسے فوراً بے باق کرنا ہے۔

آہ!! —— ہتھوڑی اور کدال سے، جو آسمان بوس پہاڑوں کو کاٹ کر رکھ دیتا ہے، تیشہ سے مغرور چٹانوں کا سر توڑ دیتا ہے۔ راستوں

کے دونوں طرف جس کی ہڈیاں بکھری پڑی ہیں تمہاری خدمت کے لئے جس نے قلی اور مزدور کا پیشہ اختیار کیا ہے تمہاری بار برداری کے لئے جو ہمیشہ خاک آلود رہتا ہے۔ جو تمہارا پیٹ بھرنے کے لئے ہر وقت دھوپ میں بیٹھا رہتا ہے وہی کسان اور وہی مزدور مکمل انسان ہے میں اسی کے گیت گاتا رہتا ہوں۔

اس کا دکھا ہوا دل عن قریب ایک نئی زندگی کی تعمیر کریگا یہ توقع نہ رکھو کہ یہ خاک نشیں صرف اس وجہ سے تمہاری توقیر کریں گے کہ تم بالا نشیں ہو۔ جو لوگ فرطِ محبّت سے زمین ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بناتے ہیں اب یہ زمین اپنے کو ان ہی کے سپرد کر دیگی۔

آج مظلوموں اور بے کسوں کے خون میں رنگ کر بطنِ گیتی سے حرّیت کا آفتاب تازہ پیدا ہوا ہے۔ اب سماج کے سب بندھنو اور بندشوں کو توڑ کر پھینکدو۔ فلک کج رفتار کو چاہیئے کہ پاش پاش ہوکر ہمارے آشیانوں پہ گر پڑے اب ہم ایک نئی دنیا تعمیر کرینگے۔

ساری دنیا کے انسان سن لیں کہ ہم سب ایک کارواں کے مسافر ہیں۔ ایک ماں کے سپوت اور ایک باپ کی اولاد ہیں۔ ایک چمن کے پھول ہیں، ایک شاخ کے ثمر ہیں۔ اور ایک ہی آسمان کے تارے ہیں اگر ایک کو تکلیف ہوگی تو سب کے دل اس کی کھٹک محسوس کریں گے ایک کی توہین کل بنی نوع انسان کی توہین ہے۔ عن قریب، ایک نئی دنیا بالکل نئے ارمانوں اور نئے

مقصدوں کے ساتھ راہِ حیات پر کامیابی کے ساتھ گامزن ہوگی جس کو دیکھ کر خدا مسکرائے گا اور شیطان لرزے گا۔

اس نظامِ موت پروردہ کو ڈھایا جائے گا
اک نئی دنیا، نیا آدم بنایا جائے گا

حصّۂ پنجم

سرمایہ داری اور مفکّرین

کارل مارکس کا نظریہ

حصّہ پنجم

باب اوّل

سرمایہ داری اور مفکّرین

سرمایہ داری کی مشکلات کو مصلحین و مفکّرین ہر زمانہ میں تاڑتے رہے ہیں چنانچہ افلاطون نے اس سے گھبرا کر اپنی خیالی "ریاست" بسائی تھی مگر افسوس زمانہ کا ماحول اس میں بھی بیان کیا گیا ہے اس میں بھی لوگ خوش حال ہونے کے باوجود حکومت کے ماتحت ہیں اور ذاتی سرمایہ موجود ہے۔ ارسطو نے اس سے گھبرا کر ایک نئی دنیا بسانے کی رائے دی ہے جس میں ملکیت ذاتی نہ ہو کل جماعت کا قبضہ ملکیت پر ہو اور "زر، زن، زمین" سب کے حصہ میں آئیں۔

(MOORE) مور نے اپنی خیالی کتاب (UTOPIA) میں اس سے جھنجھلا کر سماج اور سماج کے اصولوں کی بہت زیادہ حقارت کی اور اس نے ایک آرام کی دنیا بسائی ہے۔ ایک سرکاری افسر بھی اس نظام سے گھبراتا تھا یہ سن کر تعجب ہوتا ہے مگر اس وقت اور اس وقت

میں فرق بھی ہے اس وقت ہر فرد جماعت کا مفاد چاہتا تھا لیکن اب ہر شخص انفرادی نفع حاصل کرنا چاہتا ہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم و تلقین کے مطابق اخوت کے پکے مسلمانوں نے (اب نہیں تیرہ سو برس پہلے) بیت المال قائم کیا اور مسلمانوں کو کیا خلیفہ اور کیا سپاہی سب کو برابر مال تقسیم ہوتا تھا۔

سینٹ ایمبروس (ST. AMBROSE) نے اس نظام کے خلاف اس طرح صدا بلند کی :۔

" قدرت نے تمام چیزیں سب کے استعمال کے لئے بنائی ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ قدرت نے مشترکہ حقوق بنائے ہیں لیکن بے ایمانوں نے ذاتی اور شخصی حقوق بنائے "۔

(ST. JOHN CHRYSOSTON) کری سا سٹن کا قول ہے کہ "امیر آدمی چور ہوتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ یہ لوگوں کے حقوق غصب کر لیتا ہے"۔

فرانس اور اطالیہ کے بہت سے مفکرین اور فلسفیوں نے بھی اس نظام کو برا کہا مگر کارل مارکس کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس نے اس نظام کو اڑا دینا چاہا اور بجائے ذاتی ملکیت کے جماعتی سرمایہ رکھنے کی تعلیم دی، اپنا مکمل نظریہ دنیا کے سامنے پیش کیا جو ذہنیت، اخلاق معیشت، دستور، فنون و صنعت غرض تمدنی زندگی کے ہر گوشہ میں جلوہ گری کے لئے بیتاب ہے اور جس کو ساری دنیا قبول کر کے سلطرہ زاری

(انفرادی ملکیت) کے عذابوں سے بچ سکتی ہے۔ اس کا نظریہ اشتراک یا مارکسزم (SOCIALISM OR MARXISM) کہلاتا ہے۔ خود اپنے نظریہ کے لئے اس نے پیشین گوئی کی ہے کہ " میں بہت بدصورت تھا لیکن میرا پیش کیا ہوا نظریہ، مجھے یقین ہے، دنیا کے لئے بہت خوبصورت ثابت ہوگا "

باب دوم

کارل مارکس کا نظریہ

کارل مارکس کے نظریات تحریک اشتراکیت اور اجتماعی زندگی کی ذہنی بنیاد سمجھے جاتے ہیں۔ سرمایہ داروں نے اس کے نظریہ کے خلاف اتنا پروپیگنڈا کیا کہ لوگ اس کا نام لینا بھی گناہ سمجھتے ہیں اگر وہ ٹھنڈے دل سے اس پر غور کریں تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اشتراکیت وہ بنیادی اصول ہے جس پر جماعت کی زندگی کی ساری عمارت کھڑی کی گئی ہے۔ یہ کارل مارکس اور انجلز کی تعلیم ہے۔

جماعتی زندگی پر نظر ڈالیے تو جماعت بندی کی مختلف صورتیں نظر آئیں گی کہیں اس کی بنیاد معاہدہ پہ ہوگی کہیں باہمی ہمدردی پہ کہیں روایات پر کہیں قانون پہ کہیں آزادی پہ کہیں جبر پہ لیکن ان مختلف شکلوں کی تہ میں ہمیشہ تین اصولوں میں سے کسی ایک یا کئی کی کارفرمائی دکھائی دے گی یعنی (۱) طاقت (۲) محبت اور (۳) عقل۔ جب جماعتی زندگی میں انسان کے فطری رجحانات اور تمدنی محرکات کو اپنا اثر پیدا کرنے کا موقع ہوتا ہے اور جذبات

اجتماعی میں مدارج و مراتب کی تقسیم افراد یا طبقات کی جسمانی یا ذہنی یا روحانی بلندی و پستی کی بنا پر ہوتی ہے تو اس وقت طاقت کا اصول کارفرما ہوتا ہے۔ اس اصول کے ماتحت جماعت میں پستی و بلندی کی ترتیب طاقت کی تقسیم کی بنا پر ہوتی ہے۔

بعض جماعتوں میں دوستی اور باہمی مفاہمت و میل جول اس قدر ہوتا ہے کہ ایک شخص دوست کو جدھر چاہتا ہے لے جاتا ہے یہاں طاقت و عقل لاچار ہیں۔ ان جماعتوں کا اصول بنیاد محبت ہوتا ہے۔

جب جماعت کی شیرازہ بندی انسان کے بالاتر اصولوں سے ہو یعنی یہ کہ "فرق مراتب سے قطع نظر دولت سب کے پاس ہو" "علم سے سب بہرہ یاب ہوں"۔ "فرق مٹا دینا چاہیئے" وغیرہ، تو اس وقت حیاتِ اجتماعی پر عقل کی کارفرمائی ہوتی ہے۔

ہر شخص جانتا ہے کہ اشتراک کا مجوزہ نظامِ جماعتی، موجودہ نظام سرمایہ داری کی مخالفت میں پیدا ہوا ہے۔ نظامِ سرمایہ داری میں جماعت بندی کے مذکورہ بالا تینوں اصول کارفرما ہیں۔ اس میں زیادہ تر تو طاقت کا اصول ہے جو چند ہزار سرمایہ داروں کے ہاتھ میں کروڑوں محنت کش مزدوروں کے جسم و جان دیدیتا ہے۔ اور دولت و اقتدار کے سامنے اسی کی وجہ سے اخلاق و مذہب انصاف و عدل کے تمام اصول ماند پڑ جاتے ہیں لیکن ہر چند کہ

زیادہ اثر اس نظام میں طاقت کے فطری اصول ہی کا ہے تاہم یہ نہیں کہ دوسرے اصول بالکل نہ ہوں۔ سرمایہ داری نے اپنے نظام کا ایک گوشہ اصول عقل کے زیر فرمان بھی کر دیا ہے اور وہ کاروبار کی زندگی کا گوشہ ہے۔ سرمایہ دار اپنا تسلّط بھی قائم کرنا چاہتا ہے، غیر عقلی آرزوؤں کا شکار بھی ہوتا ہے لیکن منافع کے اصول سے سرمو انحراف نہیں کر سکتا۔ معاشی زندگی کے اس شعبہ میں بھی کھاتہ اس کی کتاب مقدس ہے پھر زندگی کے بعض حصّے نظام سرمایہ داری میں محبت کے اصول کے لئے بھی وقف ہیں مثلاً خانگی زندگی سے ابھی اس معصوم اصول کو خارج نہیں کیا گیا ہے یا قومی جنگوں کے وقت اب بھی اس کے مظاہرے ہوتے ہیں۔

سرمایہ داری کے اس ناپائدار و بے بنیاد طریقہ کے بالکل خلاف اشتراک صرف عقل کی حکومت چاہتا ہے۔ سرمایہ داری نے کاروباری زندگی کے جس گوشہ میں عقل سے کام نکالا تھا اشتراک اس پر قناعت نہیں کرتا۔ وہ زندگی کے سب شعبوں کو انسانیت، راستی، شرافت اور عقل کے سپرد کر دینا چاہتا ہے، طاقت و اقتدار، تفوّق و تفرّق محبت کے باطل دعوے اس میں نہیں اس کے ہر شعبہ میں عقل و استقامت کارفرما ہے۔ ہم کہہ آئے ہیں کہ موجودہ اشتراک کی تعلیم مارکس اور اس کے قلبی دوست انجلیز نے دنیا کے سامنے پیش کی۔ زمانۂ حال میں، ہر ملک اور ہر وقت میں مزدوروں اور مفلسوں کی جو

تحریکیں شروع ہوئیں اس کی ذہنی ترجمانی اس جدید اشتراک نے کی اور چونکہ یہ تحریکیں خود موجودہ نظام جماعت کی خامیوں کے باعث لازمی تھیں اس لئے اس ذہنی تعلیم نے بھی جس کا نام ہم اشتراک جدید رکھ سکتے ہیں بہت فروغ پایا۔ اور اشتراکی زندگی کے دوسرے نظام بالکل پس پشت پڑ گئے۔

جماعتی حالات

"اشتراک جدید" کا مسلک مغربی تاریخ کے اس عہد کی پیداوار ہے جبکہ قرون وسطیٰ کے قائم کردہ تمام جماعتی بندھن کٹ رہے تھے تمام وہ جماعتی ادارے جن میں فرد پناہ لیتا تھا منتشر ہو رہے تھے تمدنی زندگی کے معیار بدل رہے تھے، ایمان جا رہا تھا، علم آ رہا تھا بندشوں کی جگہ آزادیوں اور یقین کی جگہ شک کو مل رہی تھی لیکن اس پراگندگی کے عہد میں ۱۸۳۰ء سے ۱۸۴۸ء تک زمانہ وہ خاص دور ہے جب مسلک اشتراکیت کے بیج یورپ کی ذہنی زمین میں بوئے جا رہے تھے جن کے نوخیز پودوں کی آبیاری نہایت جانفشانی کے ساتھ دو شخصوں نے ۱۸۴۰ء سے ۱۸۴۷ء تک کی۔ یہ دو شخص کارل مارکس اور اینگلس (یا انجلیز) تھے۔

۱۸۴۷ء میں جبکہ (COMMUNIST MANIFESTO) کمیونسٹ مینی فسٹو شائع ہوا ہے اشتراک کی کھیتی لہلہا رہی تھی اور

اس سال کے بعد کوئی نیا ذہنی پودا اس میں نہیں لگا صرف بڑھنے کے لیے کانٹ چھانٹ ہوتی رہی اس لئے سنہ ۱۸۳۰ء سے سنہ ۱۸۵۰ء تک کے زمانہ کے حالات پر نظر ڈالنی چاہیے۔

معاشی حالات

معاشی زندگی کی ایک خاص بات تو یہ تھی کہ سرمایہ داری کا نظام اس زمانہ میں مدارجِ عروج پر پہنچ گیا تھا اس کی تباہ کاریوں اور ہلاکت خیزیوں سے ہر کہ و مہ پریشان تھا۔ معاشی اور جماعتی مسائل پر صرف ایوانِ حکومت ہی میں مباحثے نہیں ہوتے تھے بلکہ ہر راہ رو اس دیو سے سہما ہوا اور پریشان سارہ کر اس کی تباہی کا حل سوچتا تھا۔ ہر تصنیف مزدوروں کی حالت کی بحث سے بھری ہوتی تھی ہر ملک میں اسی موضوع پر کتابیں تصنیف کی جاتی تھیں۔ کارلائل نے انگلستان میں سنہ ۱۸۳۹ء میں اپنی کتاب " CHASTISM " لکھی اور سنہ ۱۸۴۳ء میں PAST & PRESENT. سنہ ۱۸۴۴ء میں کنگسلے نے VILLAGE SERMONS. شائع کی۔ سنہ ۱۸۴۵ء میں ڈسرائیلی نے SYBILLORTH THE TWO NATIONS طبع کرائی۔ فرانس اور جرمنی میں بھی کثرت سے تصانیف نکلیں۔ نیز یہ کہ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے مختلف مقامات پر انجمنیں قائم ہوئیں۔

آدمی آدمی کے درمیان رشتہ کٹنے، دولت پیدا کرنے اور ذاتی

نفع حاصل کرنے کے نئے اصولوں، خود غرضی، سرمایہ داروں کی زیادتیوں اور کسانوں اور مزدوروں پر مظالم کی وجہ سے لوگوں میں عام بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ ایک طرف امیر طبقہ کے مٹھی بھر آدمی اور دوسری طرف کروڑوں مفلس انسانوں کا طبقہ تھا ایک طرف عیش تھا دوسری طرف بے کسی اور مفلسی۔ صنعتی آدمیوں پر بھی آ بنی تھی۔ کانوں کی صنعت میں فروغ تھا لیکن بے گھر مزدوروں کے غول کے غول ملازمت کی فکر میں پھرتے تھے جن کو نوکری مل گئی تھی ان کا بھی ظلم سہہ سہہ کر برا حال ہو گیا تھا۔ سربفلک عمارتیں بن رہی تھیں مگر جن کا خون کو پسینہ کر کے یہ سب کچھ کیا جا رہا تھا ان کی ہی جسمانی و معاشی حالت ابتر تھی۔

سختی سے کام لیا جاتا گھنٹوں ان غریبوں کو جوتا اور پھر بھی معمولی اُجرت پھینک کر دی جاتی تھی تقسیم عمل کے طریقہ سے ایک ہی کام کو بار بار کرنا پڑتا تھا جس سے طبیعت اُکتا جاتی تھی، ایک طرف دولت بڑھ رہی تھی دوسری طرف افلاس، ایک طرف مرفہ الحالی تھی دوسری طرف ہلاکت و ادبار۔ صنعت ترقی کر رہی تھی مگر لوگ اور بھی غریب ہوتے جاتے تھے۔ مشینیں اتنا سامان بنا دیتی تھیں کہ خریدنے والے نہ ملتے تھے اشیاء مصنوعہ کی قیمت گھٹنے پر سرمایہ دار مزدور کی اجرت کم کر دیتے تھے۔

کارلائل نے لکھا ہے کہ "تمہارے بُنے ہوئے قمیص کس کام کے ہیں؟

اُدھر دکانوں میں دیکھو لاکھوں کی تعداد میں بھرے پڑے ہیں اور اِدھر لاکھوں محنت کرنے والے برہنہ جسم ان کے انتظار میں ہیں لیکن یہ انہیں نہیں ملتے"۔ مال بہت بنایا جاتا تھا خریدنے والے نادار۔ کارخانے بند ہو جاتے تھے اور مزدور مفلس مزدور بے روزگار ہو جاتے تھے۔ ان کے لئے محنت کے دروازے بند اور فاقہ اور موت کے دروازے کھل جاتے تھے۔ جو نوکر تھے اور سرمایہ دار جو کو لکھ پتی بنانے میں کوشاں تھے مفت خور ڈاکو سرمایہ دار ان کو ستاتے، زیادہ کام لیتے کم اجرت دیتے اور ان کی محنت کے ثمر کو خود کھا جاتے تھے۔

سیاسی حالات

نپولین کی جنگوں کے بعد سے لوگ امن چین کی زندگی بسر کر رہے تھے ریاستوں کو جنگ کی طرف سے بے فکری تھی۔ ملکی اور خارجی سیاست کا احساس بہت کم ہوتا تھا اور آزادانہ تجارت ہوتی تھی۔ سرمایہ داری کا طوق لعنت گلوں میں اور زنجیروں کے بندھن پیروں میں پڑے تھے۔ غرضیکہ اگر اس زمانہ کو غیر سیاسی عہد کہیں تو بیجا نہ ہوگا۔ انقلابی خیالات پھیل رہے تھے۔ قومیت کی صدائیں سنائی دیتی تھیں۔ انگلستان میں چارٹسٹ تحریک سراسر انقلابی تھی۔ فرانس کے اشتراکی اور کمیونسٹ انتہا پسند

انقلابی تحریک کو زندہ رکھنا چاہتے تھے، جرمنی اور اٹلی میں بھی انقلابی جماعتیں موجود تھیں۔ پروشیا کا احمق حکمراں کمیونسٹوں سے بہت ڈرا ہوا تھا اور ان لوگوں کا پکا دشمن تھا۔

سیاسی فکر کا زوال، سرمایہ داری کے نظام کی بے چینی اور انقلاب کی خواہش کی فضا اشتراک کے مسلک کے نشو ونما کا زبردست سبب ہوگئی۔ اس کی بابت بہت غلط فہمیاں تھیں کوئی اسے پروٹسٹنٹ مذہب اور کوئی کیتھولک مذہب کی شاخ سمجھتا تھا۔ کوئی جرمن کلاسکی فلسفہ گردانتا تھا مگر مشہور جرمن ورنرزومبارٹ نے حال ہی میں ثابت کردیا کہ اشتراک جدید کو ان چیزوں سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ اس مصنف کی رائے میں اشتراک جدید کا ذہنی شجرۂ نسب یہ ہے :-

(دوسرے صفحہ پر اشتراک جدید کا ذہنی شجرۂ نسب ملاحظہ ہو)

اشتراک جدید

مارکس اور انجیلز کی تعلیم

سابقہ انگریزی اور فرانسیسی اشتراکی
(موریلی، گاڈون، اوون، سیں سیموں،
فوریئے، پرودھاں وغیرہ)

سابقہ جرمن اشتراکی، موسی ہس
وائٹلنگ وغیرہ

مادہ پرست فلسفی فائرباخ

اٹھارویں صدی کا فرانسیسی فلسفہ

سترویں اور اٹھارویں صدی کا
انگریزی فلسفہ
(ہابس، لاک، شیفٹس بری،
مینڈول کی تعلیمات)

کالونیت

جیسوئیٹ

یہودی ذہنیت

یونان کے دور انحطاط کا فلسفہ

کارل مارکس و تعلیم اشتراک

اشتراک معاشی اور معاشرتی زندگی کے ہر شعبہ کو آرام دہ بنا دینے
کی تحریک ہے یہ زمین اور سرمایہ کے اجتماعی ملک ہونے کی حمایت ہے
اجتماعی ملک کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ایک جمہوری ریاست کی
ملک ہو - اور یہی معنے بھی ہیں - اجتماعی ملک کے دوسرے قریب ہی
کے معنے یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ایک گروہ کے مرد اور عورتوں کی آزاد
جماعت مالک ہو یا ان جبری قوتوں کے جو ریاست بنانے کے لئے
ضروری ہیں - اس میں سرمایہ داری کا موجودہ نظام منہدم کر دینے کی
تعلیم ہے کیونکہ جیسا ہم نے دیکھا ذاتی سرمایہ غریبوں کو بہت زیادہ
ستاتا ہے مگر یہ (اشتراک) چاہتا ہے کہ جمہوری حکومت قائم ہو
جس میں ذاتی سرمایہ بالکل نہ ہو خاص اور امتیازی مراعات بالکل
نہ ہوں اور مصنوعی عدم مساوات مٹادی جائے - جمہوریت کا صدر
اشتراکی عقلمند بہادر اور زبردست سیاست داں ہو - کل طریہ
جمہوریت کا ہو جو کام کرے وہی کھا سکے - بچوں اپاہجوں اور
بڈھوں کا حکومت صرفہ برداشت کرے - دوکان دار سپاہ
حکومت کے نمائندے ہوں جو جتنا کام کرے اتنا ہی لے مگر جب
سب کو وقت و کام برابر تقسیم ہو گا تو کسی کو کسی پر فوقیت

حاصل نہ ہو گی۔ سب تعلیم یافتہ ہوں، سب کو برابر کام سپرد کیا جائے اور برابر دولت ضرورت کے موافق دے دی جائے۔ سرمایہ دار ممالک کی حمایت نہ کی جائے۔ اشتراکی جمہوریتوں کی تعداد بڑھائی جائے۔ ذاتی سرمایہ کسی کے پاس جمع نہ ہونے دیا جائے۔ بنا بنایا ہوا سامان اپنے ہی ملک میں خرچ کیا جائے۔ درآمد و برآمد سے سرمایہ دار ممالک کو مدد نہ دی جائے۔ اشتراکی جمہوریتوں کے بننے میں امداد کی جائے اپنے ملک والوں کے لئے سب کچھ اپنے ہی ملک میں پیدا کیا جائے اور جو کچھ پیدا کیا جائے ملک ہی میں صرف کیا جائے۔

یہ ہم پہلے بھی کہہ آئے ہیں کہ یہ کارل مارکس ہی کا حصہ تھا کہ اس نے انجلز سے مل کر اشتراکی مسائل کا ایک مربوط مجموعہ تیار کیا جس میں اتنی سچائی تھی یا جو اتنا معقول معلوم ہوتا تھا کہ انسانوں کی کثیر تعداد کے دماغوں پر حاوی ہو سکے نیز بین الملل اشتراکی تحریک کی بنیاد ڈالی جو گزشتہ پچاس سالوں میں یورپ کے تمام ممالک میں بڑھتی رہی۔

مارکس کا نظریہ سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ان اثرات کے متعلق کچھ واقفیت حاصل کی جائے جنھوں نے مارکس کے خیالات بننے میں مدد دی ہے۔

کارل مارکس (KARL MARX) سنہ ۱۸۱۸ء میں جرمنی کے صوبہ رائن کے ایک شہر ٹریوز میں پیدا ہوا۔ اس کا

باپ ایک قانونی عہدے دار اور یہودی النسل شریف انسان
تھا۔ اس کا باپ مع اپنے خاندان کے عیسائی ہو گیا تھا۔ یہودی
نژاد ہونے کی وجہ سے کارل مارکس بہت ذکی اور فہیم بچہ تھا
اسی لئے اس کے باپ کی امیدیں اس کے مستقبل سے وابستہ تھیں
مارکس نے قانون، فلسفہ، معاشیات اور تاریخ کی تعلیم مختلف
جرمن یونیورسٹیوں میں حاصل کی اور ۱۸۴۱ء میں پی ایچ ڈی کی
ڈگری حاصل کی۔ فلسفہ میں اس نے ہیگل کے مذہب کا اثر لیا جو
اس زمانہ میں شہرت کی معراج پر تھا اور ان مسائل کا کچھ نہ کچھ اثر
تمام عمر اس کے خیالات پر باقی رہا۔ ہیگل کی طرح اس نے بھی تاریخ
میں ایک خیال کی نشو و نما دیکھی، اس نے تغیرات عالم کا تصور
یوں قائم کیا کہ گویا یہ منطقی منازل کی ایک کڑی ہے جس میں ایک
حالت انقلاب کے ذریعے سے ایسی دوسری حالت میں بدل جاتی
ہے جو اس کی ضد ہو۔ یہ ایک تخیل ہے جس نے اس کے خیالات کو ایک
سخت تجرید کا رنگ دے دیا اور بجائے ارتقا کے انقلاب کا اعتقاد
لیکن ہیگل کے زیادہ مسائل مارکس کے خیالات پر صرف جوانی میں
اثر کرتے رہے اور جوانی کے بعد اس کے خیال میں کوئی مسئلہ ہیگل
نہ رہا۔

سب کا خیال تھا کہ مارکس بہت ذہین اور سمجھ دار طالب علم ہے
اس لئے بحیثیت پروفیسر یا سرکاری عہدے دار کے نہایت

خوشحال زندگی بسر کرے گا لیکن اس کی سیاسی دلچسپی اور اس کے انتہا پسند خیالات نے اسے دشوار گزار راستوں پر لا ڈالا۔ ۱۸۴۲ء میں مارکس ایک اخبار کا مدیر ہو گیا جسے اس کے حد سے زیادہ انقلابی خیالات کی وجہ سے دوسرے سال کے شروع ہی میں پروشیا کی حکومت نے بند کر دیا۔ چنانچہ مارکس نے پیرس کی راہ لی۔ یہاں یہ اشتراکی کی حیثیت سے مصروف کار ہو گیا اور اپنے سے پہلے کے فرانسیسی اجتماعیت و اشتراکیت پسندوں کے متعلق علم حاصل کرتا رہا۔ یہیں ۱۸۴۴ء میں اس کی فریڈرک انجلیز سے وہ دوستی شروع ہوئی جو ساری عمر قائم رہی اور مارکس و انجلیز کے نام لازم و ملزوم ہو گئے۔ انجلیز اس زمانہ تک کاروبار کے سلسلہ میں مانچسٹر میں تھا، اس نے یہاں انگریزی اشتراکیت سے واقفیت حاصل کی تھی اور بڑی حد تک اُن کے مسائل کو قبول کیا۔ ۱۸۴۵ء میں مارکس پیرس سے نکالا گیا اور انجلیز کے ساتھ بروسلز میں رہنے کے لئے چلا گیا۔ یہاں اس نے "جرمن مزدوروں کی جمعیت" قائم کی اور ایک اخبار شائع کرنا شروع کیا جو اسی جماعت کا آرگن تھا۔ بروسلز کی کارگزاریوں کے صلہ میں پیرس کی جرمن اشتراکی لیگ کو اس سے واقفیت ہو گئی اور اس لیگ نے ۱۸۴۷ء کے آخر میں اسے اور انجلیز کو دعوت دی کہ اُن کے لئے ایک لائحہ عمل ترتیب دیں جو جنوری ۱۸۴۸ء میں شائع ہو۔ یہی وہ مشہور

"اشتراکی اعلان" ہے جس میں پہلی مرتبہ مارکس کا نظام پیش کیا گیا یہ اچھے وقت شائع ہوا، اگلے ہی مہینے فروری میں پیرس میں مشہور انقلاب برپا ہوا اور مارچ میں جرمنی تک پھیل گیا۔ انقلاب کے خوف سے بروسلز کی حکومت نے مزدوروں کے ہمدرد، انقلابی کارل مارکس کو بلجیم سے خارج کر دیا لیکن جرمنی انقلاب نے اس کے لئے وطن میں واپسی ممکن کر دی۔ جرمنی میں اس نے پھر ایک اخبار نکالا جو عمائدین حکومت سے ٹکرایا اور جوں جوں انقلاب کا ردّ عمل زور پکڑتا گیا یہ مخالفت بھی بڑھتی گئی۔ جون ۱۸۴۹ء میں اس کا پرچہ بند کر کے اسے پروشیا سے خارج کر دیا گیا۔ وہ پیرس واپس گیا مگر وہاں سے بھی نکال دیا گیا آخر کار جا کر انگلستان میں مقیم ہوا جو اس وقت حامیانِ حرّیت کا مامن بنا ہوا تھا۔

اشاعتِ تحریک (اشتراک = SOCIALISM) کے لئے جو تھوڑے تھوڑے عرصہ کے لئے باہر گیا اس سے قطع نظر اپنی موت یعنی مارچ ۱۸۸۳ء تک انگلستان ہی میں رہا اور مزدوروں کو اپنی حالت سدھارنے کے لیکچر دیتا رہا۔

کارل مارکس ہمیشہ افلاس کی زندگی بسر کرتا رہا چنانچہ ۱۸۵۲ء کی ابتداء میں مارکس کی لڑکی کا انتقال ہو گیا۔ مارکس اس وقت بھی بالکل ہلاکت کی حالت میں تھا، اس کے پاس ایک پیسہ تجہیز و تکفین کے لئے نہ تھا وہ اپنے ایک جرمن دوست سے

قرض مانگنے گیا مگر اتفاق سے اس وقت اس کے پاس بھی کچھ نہ تھا۔ پھر اس نے اپنے ایک فرانسیسی دوست سے ضرورت بیان کی جس نے کارل کے حال پر ترس کھا کر اس کو دو پونڈ دیئے، جس سے اس نے بچی کی تجہیز و تکفین کی۔

ایک دفعہ ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ مارکس چاندی کے چند برتنوں کو جو اس کی بیوی جینوی فان فیسٹ فیلن کی ملکیت تھے اور جس پر اس کا خاندانی نشان بھی کندہ تھا، کسی دلال کی معرفت گرو رکھنا چاہتا تھا، دلال نے ایسے قیمتی برتن مفلس مارکس کے پاس دیکھے تو اسے شبہ پیدا ہوا اور اس نے پولیس کو اطلاع کر کے اسے گرفتار کرانا چاہا۔ مارکس نے بڑی دقتوں سے پولیس کا اطمینان کر کے اپنا پیچھا چھڑایا۔

باوجود اس قدر افلاس کے کارل مارکس نے کبھی اپنے لکچروں کا معاوضہ نہ لیا۔ اس کے یہ لکچر، اقتصادیات پر لندن کے مزدوروں کے سامنے ہوا کرتے تھے۔ اس نے عہد کر لیا تھا کہ وہ مزدور پیشہ جماعت سے کبھی کچھ نہ لے گا، چونکہ وہ اپنے تئیں ایک ادنیٰ خادم خیال کرتا تھا۔

انگلستان کے قیام کا زیادہ حصہ مارکس نے اپنی بڑی کتاب "سرمایہ" کی تالیف میں صرف کیا۔ آخری زمانہ میں اس کا دوسرا اہم کام "مزدوروں کی بین الملل جمعیت" کے قیام اور توسیع

پر مشتمل تھا۔

بنیادی اصول

کارل مارکس کا قول تھا کہ "ہر شخص کا پیدائشی حق آزادی ہے سب انسان برابر ہیں" وہ کہتا تھا کہ کسی کو حق نہیں کہ کسی کو غلام بنائے یا اپنے سے چھوٹا خیال کر کے حقارت کی نظر سے دیکھے۔ ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے کہ کارل مارکس سب انسانوں کو ایک بہترین، آزاد مگر یکساں معیار پر لانا چاہتا تھا وہ انفرادی سرمایہ کو مٹانا چاہتا تھا کہ ایک جمہوریت میں سب انسان مساوی حیثیت سے رہیں۔ اس کی تحریک بہترین ہے۔ ممکن ہے بہت سے صاحبان مجھ سے اختلاف رکھیں مگر میرے بیشتر سمجھ دار احباب میری رائے سے موافقت کریں گے اور حقیقت بھی یہ ہے کہ سرمایہ داری کو مٹا کر صحیح معیار کی زندگی پر لانے والا بہترین لائحہ عمل اشتراکی تحریک نے پیش کیا ہے۔ ایسی آزاد زندگی گزار کر جان بھی چلی جائے اور حریت کے نام پر انسان مر بھی جائے تو بہتر ہے غلامانہ زندگی بسر کرنے اور ذلیل رہنے سے ؎

جینا ذلیل ہو کے جہنم سے کم نہیں
عزت کے ساتھ جان بھی جائے تو غم نہیں

باب سوم

بغیر جمہوریت کے مساوی تقسیم دولت

(میرا ایک نظریہ)

میرا خیال یہ ہے کہ بغیر جمہوریت کے ایک حد تک مساوی تقسیم دولت ہو سکتی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جمہوریت نہ ہونا چاہیے ــــــ ہرگز نہیں، بلکہ مطلب اس سے یہ ہے کہ جو ممالک بدقسمتی سے جمہوری نہیں وہاں یہ کرنا چاہیئے کہ سارے فرقوں کے نمائندے قوم کی مرضی سے پولس اور فوج کی مدد سے کر سب روپیہ ملک کا چھین کر اس پر قبضہ کر لیں اور ہر مذہب کا ایک، ہر جماعت کا ایک، ہر محلہ کا ایک، ہر خاندان کا ایک اور ہر گھر کا ایک قاسم (DISTRIBUTOR) بنا دیں۔

قوم کے نمائندے تجارت، صنعت و حرفت کریں اور تعلیم مساوی دی جائے۔ سب سے کام برابر لیا جائے پھر سال بھر میں منافع تقسیم کر دیا جائے اس طرح مساوی تقسیم دولت ہو سکتی ہے اور ایک حد مقرر کر دی جائے کہ اس سے زیادہ رقم کوئی شخص نہیں رکھ سکتا۔

جب فی کس اوسط اس مقررہ رقم سے بڑھ جائے وہ رقم قاسمین
کے ذریعہ واپس لے لی جائے اور بالکل علیحدہ ایک خزانہ میں رکھی
جائے جس کا نام رکھا جائے "خزانۂ حصول جمہور" اور اشتراک جمہوریت
بنانے کے بعد اکثر اکی جمہوریت اور اشتراکیت کے کل اصول کام
میں لائے جاسکتے ہیں۔

باب چہارم

سرمایہ داری کا حل فسطائیت سے

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سرمایہ داری اور مزدور کی مصیبت کا حل فسطائیت (فاشزم) ہے۔ اگر ان لوگوں کا حل سے یہ مطلب ہے کہ فاشزم لوگوں پر ظلم کرے، تفرق و تفوق کے احساسات پیدا کرے، مزدوروں کو ہل کر ادے اور مصیبتوں سے اکتا کر مزدور بیدار ہو اور اٹھ کر دیم زائیدہ برتری اور فسطائی حکومت کو ختم کر دے۔ اور انقلاب کی آگ سرمایہ داری کو جلا کر خاک کر دے تو ہاں ایسا ہو سکتا ہے مگر ایک مدت کی ضرورت ہے اور پھر فضول خون کی ندیاں بہیں گی بہر حال فسطائیت جو سرمایہ داروں کی تحریک ہے مزدور و کسان کی مشکلات کا حل ہرگز نہیں ہو سکتی۔

فسطائیت FASCISM

فسطائیت کیسے بنی؟۔ فاشزم (FASCISM) کا لفظ فیسیز (FASCES) سے ماخوذ ہے جس کے معنے ہوتے ہیں لکڑیوں کا

ایک گٹھر جس کے بیچ میں کلہاڑی بھی ہو۔ قدیم روما میں یہ (فیسز) نشان اقتدار سمجھا جاتا تھا جسے ایک آدمی مجسٹریٹ کے آگے آگے لے کر چلتا تھا۔

اصطلاح کے لحاظ سے "فاشزم" ایک خاص نظام حکومت کا نام ہے جسے ۱۹۲۲ء میں مسولینی اور اس کے چند ساتھی سرمایہ داروں نے حکومت اطالیہ میں قائم کیا۔ یہ سرمایہ داروں کی تحریک تھی اس کا خاص مقصود یہ تھا کہ اشتراکیت، اجتماعیت اور اشتمالیت کو ختم کر دیا جائے۔ انفرادی سرمایہ دار برسر اقتدار ہو۔ آزاد ممالک کو غلام بنایا جائے۔ جمہوریت، اکثریت، محکومیت اور آزادی بیکار چیزیں ہیں۔

اس کی بنیاد قدیم روما کی تاریخ پر قائم ہے جب ملک کے ہر باشندہ کا فرض تھا کہ سامراج کا وفادار خادم رہے اور نیز اس خیال پر کہ دنیا میں حکمرانی کا حق اہل روما ہی کو حاصل ہے۔

تجارتی انجمنوں کو توڑ کر فسطائی حکومت نے خود اپنی انجمنیں قائم کر دی تھیں۔ فاشزم کا یہ نظریہ تھا کہ حکومت نام ہے مختلف انجمنوں کے اتحاد کا نہ کہ افراد کا۔

سرمایہ داروں کو حکومت زیادہ بخششیں دیتی ہے اور سرمایہ دار ملک کی تنظیم و ارتقا میں مدد دیتے ہیں اس لئے بغیر سرمایہ داروں کے "فاشزم" کے مطابق، حکومت ناممکن ہے یہی وجہ ہے کہ سابق فسطائی حکومت اطالیہ زیادہ تر سرمایہ داری کے احیاء و ارتقا کے لئے

قوانین کا اجرا کرتی رہتی تھی اور سرمایہ داری کے دشمن سوشلزم کی سخت ترین مخالف تھی۔

فسطائی حکومت کی انجمنوں میں مزدوروں اور سرمایہ داروں دونوں کے نمائندے شامل ہوتے ہیں مگر بہر صورت بقول مسولینی کے "سرمایہ داری جو ملک کی ترقی کے لئے ایک اہم عنصر ہے، قائم ہی رہنا چاہیئے"۔ عالی دماغ لوگ حکومت ہی کرنے کے لئے پیدا ہوتے ہیں۔ مزدوروں کی جو بھی موجودہ حالت ہے انہیں اسی میں رہنے دینا چاہیئے۔ وہ خدمت ہی کرنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں ان کی حالت درست کرنا قسمت، اور (اس لئے) خدا کے خلاف جانا ہے۔ جنگیں کرکے غیر ملکوں پر قبضہ کرنا چاہیئے ہمیں اس سے بحث نہیں کہ غریبوں کا زیادہ خون ہوگا وہ پیدا ہی اس لئے ہوئے ہیں عورتوں کو اپنے دوش بدوش رکھنا نہیں چاہیئے وہ صرف بچے پیدا کرنے کے لئے پیدا ہوگئی ہیں۔ سرمایہ داروں اور مزدوروں دونوں سے ملا رہنا چاہیئے مگر سرمایہ داروں کے خلاف قدم نہ اُٹھانے دیا جائے جو جس حالت میں ہے وہ اسی میں رہنا چاہیئے کیونکہ اس کی قسمت ہی کا 'بدا' یہ ہے۔

کیا ان ہی مقاصد کو لئے ہوئے فسطائیت، مزدوروں اور غریبوں کی مشکلات کا حل بن سکتی ہے۔ ہرگز نہیں۔ فاشزم مارِ آستین ہے جو مزدوروں کو مل کر کاٹتا ہے، یہ ایک شمشیر

بُرّاں ہے جو سرمایہ داروں کے ہاتھ میں رہتی اور غریبوں مفلسوں
مزدوروں اور کسانوں کا خون کرتی ہے

یہ وہ خنجر ہے جو سرمایہ داروں کی حمایت میں
ہزاروں مفلسوں کے خون کے دریا بہاتا ہے

عزائم جنگ کے لوگوں میں کر دیتا ہے یہ پیدا
مگر واں بھی غریبوں کے گروہوں کو لڑاتا ہے

یہ لے لیتا ہے سرداروں امیروں کو حفاظت میں
مگر مزدور و دہقاں کو یہ خندق میں گراتا ہے

یہ اپنے ہاتھ میں مذہب کی روشن شمع لیتا ہے
غریبوں کو مگر پھر بھی رُلاتا اور جلاتا ہے

باب پنجم

اشتمالیت اور سرمایہ داری

(COMMUNISM & CAPITALISM)

کاش کہ سرمایہ پرستی اور اس کے ہمدرد ختم ہوں اور اشتراکیت (SOCIALISM) واشتمالیت (COMMNISM) کے زریں اصولوں پر لوگ کاربند ہوں۔ عام غلط ذہنیت یہ ہے کہ متذکرہ بالا طریقے الحاد اور ملت دشمنی سکھاتے ہیں لیکن یہ سقیم خیال اس لحاظ سے کہ زیادہ تر سوشلسٹ اور کمیونسٹ بے دین ہو جاتے ہیں ایک حد تک نشرِ عمومی پا گیا ہے ورنہ اس کی کوئی حقیقت نہیں کیونکہ یہ مذاہب نہیں یہ وہ طریقہ ہائے کار ہیں جو اپنے نظام کی مجموعی حیثیت سے معاشی اور معاشرتی شعبوں پر حاوی ہیں مگر مذہب سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ مذہب تو خود ہمدردی اور اجتماعیت و اشتمالیت کی تعلیم دیتا ہے۔ پھر اشتراکیت و اجتماعیت و اشتمالیت کے اصولوں میں کون سی مذہب کی تنقیص ہو جاتی ہے مذہب پر کاربند رہ کر ان کے اصول عمل میں لائے جا سکتے ہیں کیونکہ ان میں سے ہر نظام مذہب نہیں بلکہ ایک لائحہ عمل

ہے۔ چنانچہ مسلم سوشلسٹ جماعت اس کا زندہ ثبوت ہے۔

"اشتمالیت" طریقۂ کار کا ایک نظریہ ہے جس کا منتہائے نظر ایسے اصول متعین کرنا ہے جن پر عمل کر کے سرمایہ داری کے قصرِ عالیشان کی اینٹ سے اینٹ بج جائے اور اشتراکی نظام کی تکمیل کی جائے۔ اس کے دو بنیادی نظریے ہیں طبقاتی جنگ اور انقلابی ——— یعنی تشدد آمیز ——— ذرائع سے طاقت کو سرمایہ داروں سے لے کر محروم الملک یعنی غریب، پرولتاری طبقے کے ہاتھ میں دے دینا۔

مارکسی اشتمالیت

مارکس کا خیال تھا کہ سرمایہ داری کا خاتمہ اُن تضادات کے نتیجے کے طور پر ہوگا جو اس نظام کی سرشت میں داخل ہیں اور جن میں اہم ترین تضاد یہ ہے کہ قدرِ زائد کے حصول کے پیشِ نظر محروم الملک غریب اور فاقہ زدہ طبقے پیدا ہوں اور سرمایہ داری کو منظم اور طاقت ور ہونے کا موقع دیں۔ یہ طبقہ ساتھ ہی ساتھ ظلم و ستم سہہ کر خود بھی بیدار، منظم اور طاقت ور ہو اور جماعتی طبقہ وارانہ امتیازات کی وجہ سے کچھ اس طرح زور پکڑے کہ خود اپنی پیدا کی ہوئی سرمایہ داری کا تختہ الٹ دے۔ دوسرا اہم تضاد یہ ہے کہ جب پیدائش اشیاء کی رفتار غیر معمولی طور پر تیز ہو گی تو عوام کا بیشتر حصہ ملکیت سے محروم ہو گا اور جب تک سرمایہ داری زندہ رہے گی۔ یہی حالت رہے گی۔

عالمگیر کساد بازاری مثلاً زر صعوبات، مستقل مانگ سے زیادہ رسد اور سرمایہ داروں کی حرص و طمع کے سبب پرولتاری طبقہ صنعتی نظام کی اضافہ پذیر مصنوعات کو خرید کر اپنے کام میں نہیں لا سکتا ۔ اس لئے سرمایہ دار اپنی مصنوعات کے لئے منڈیاں تلاش کرتا ہے جس کے لئے وہ بڑے سرمایہ داروں سے سمجھوتہ کرتا اور چھوٹے سرمایہ داروں سے کشمکش کرکے انکو ختم کر دیتا ہے اور استفادہ کے لئے سرمایہ دار طبقہ ہر طرف سے ٹوٹ پڑتا ہے اور اس وقت سرمایہ داری سامراجیت کی منزل سے گذر کر اپنے عروج پر پہنچ جاتی ہے ۔

حامیانِ اشتمالیت کا کہنا ہے کہ کارل مارکس کی پیش گوئی صحیح ثابت ہو رہی ہے۔ جنگیں معاشی مقصد کے لئے ہوتی ہیں اور سامراج کے بھیس میں آپس میں ہیبت ناک پھوٹ پڑ جاتی ہے ۔ سرمایہ کو اہمیت حاصل ہو جاتی ہے ۔ بین الاقوامی کمپنیاں دنیا کا بٹوارہ شروع کر دیتی ہیں اور بڑی بڑی سرمایہ دار مملکتیں پوری دنیا کو بانٹ کر دم لیتی ہیں ۔

اس منزل پر سرمایہ داری کے تضادات اس کو رو بہ انحطاط کر دیتے ہیں محروم الملک طبقہ دست و بازو کا زور لگا کر قصر سرمایہ داری کا استیصال کرتا ہے ۔ یا یوں کہئے کہ سرمایہ داری کو اپنے اجبار کے لئے پرولتاری طبقہ پیدا کرنا پڑتا ہے منزلِ مذکورہ پر محروم الملک طبقہ کی طاقت جو نظام سرمایہ داری کی پیداوار ہے ۔ اپنے پیدا کرنے والے —— نظام سرمایہ داری —— کو ختم دیتی ہے ۔ اس طبقہ کی تعداد اور ساتھ ہی

ساتھ مطالبات ترقی پذیر ہوئے ہیں اور اس کا اصرار شدید تر طریقے پر یہ ہوتا جاتا ہے کہ سرمایہ دارانہ سامراجیت کے ہاتھ سے حکومت اور طاقت نکل کر جنگ آزما مزدوروں کے ہاتھ میں آجائے اور شمع سرمایہ داری ایسی بجھے کہ کبھی جلائے نہ جل سکے جس کا زندہ ثبوت اسٹیلی کی انگریزی لیبر گورنمنٹ کی فتح ہے۔

محروم الملک طبقہ کی یہ اُٹھان تاریخ میں کوئی نئی چیز نہیں ہے واقعہ یہ ہے کہ ہر زمانے میں اُس طبقے کا جسے جماعت میں اقتدار حاصل ہوا ہی حشر ہوا ہے۔ اُس کے اقتدار ہی کے ماتحت ایسے حالات پیدا ہو گئے جن کے نتیجہ کے طور پر ایک ایسا ہی مظلوم و مقہور طبقہ پیدا ہو گیا اور آخر اُس نے اِس مقتدر طبقے کو ختم کر دیا مثلاً اسی طریق پر جاگیرداری نظام کی پیداوار سرمایہ داروں کا طبقہ تھا مگر اسی نے صنعت و حرفت اور تجارت کو فروغ دے کر اس نظام کو ختم کر دیا۔ خود سرمایہ داری نے اپنی ضرورت کے لئے مزدور طبقہ پیدا کیا مگر کام کی زیادتی اور اجرت کی کمی سے رحمی اور سختی نے محروم الملک طبقہ کو خود اپنے پیدا کرنے والے کے خلاف کھڑا کر دیا۔ موجودہ صنعتی نظام کی وجہ سے ہزاروں ہوائیں یتیم اور غریب دستکار بیکار ہو گئے کیونکہ ہر کام کے لئے مشینیں تیار ہو گئیں اور اسی طرح ہاتھ کے کام کرنے والے بھوکوں مرنے لگے۔ سرمایہ داری نے نیٹو اور ملاؤں، ٹھیکہ داروں، جاگیرداروں، ساہوکاروں، زمینداروں، کارخانہ اور زمین کے مالکوں اور ایسے ہی ہزاروں داروں اور کاروں کا روپ لیکر

کسان، دستکار اور مزدوروں کو ستانا شروع کر دیا۔ پیداوار اور زمینیں جوتنے والوں کے ہاتھوں سے نکلتی رہیں اور مزدور کی مالی، نسلی اور ہر طرح سے حیثیت گرتی چلی گئی۔ اب یہ سب بھوک سے مرنے والے اپنے اپنے مطالبات لے کر کھڑے ہو گئے ہیں اور سرمایہ داری کو ختم کر کے ایک بین الاقوامی انقلاب کر کے اپنی حکومت قائم کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اگرچہ ان کو لیڈروں کی ضرورت ہے اور لیڈر مخلص و باصفا بہت کم ملتے ہیں لیکن امید کی جاتی ہے کہ موجودہ نوجوان طبقہ اور آئندہ نسل کے لوگ محروم المالک طبقہ کو مدد ضرور پہنچائیں گے۔

ہر چند کہ مزدور طبقے کی اس قسم کی بیداری کی متوازی مثالیں تاریخ میں موجود ہیں مگر مزدوروں کی یہ بیداری ایک طرح سے نئی ہے۔ ازمنہ گذشتہ میں جتنے انقلابات ہوئے ان کا نتیجہ یہ تھا کہ ایک طبقے کے ہاتھوں ایک طبقہ فنا کر دیا گیا۔ طاقت ایک اقلیت کے ہاتھ سے نکل کر دوسری اقلیت کے ہاتھ میں آ گئی مگر اس مزدور طبقہ کی فتح سے انسان کی نجات وابستہ ہے اس کا نتیجہ ہو گا:۔

۱۔ عالمگیر اخوت و برادری کے سنگ بنیاد پر مساوات کی ایک طاقتور آزاد خیال جمہوریت،

(الف) جو بیرونی اثرات سے پاک رہے اور

(ب) کفیل ذاتی ہو کر دوسروں پر اثر انداز ہو۔

۲۔ تمام مذاہب کا نچوڑ یا اصول بنیادی پر اعتقاد ہو جس کی رو سے

بلاتمیز رنگ و قوم باغی کو سزائے موت وفادار کو عہدہ محنتی کو صلہ اور کام چور کو بھوک اور خواری نصیب ہو۔

۳ - مذہب ذاتی چیز ہو سوسائٹی کے مفاد سے اس کو ٹکرانے نہ دی جائے ذاتی آزادی ہر شخص کا حق ہو۔

۴ - جو دیکھا جائے جو سنا جائے جو کیا جائے جو سوچا جائے وہ سب نیچے ملی مفاد کی خاطر اور ملی مفاد سوشل مفاد ہو۔

۵ - حکومت سب کی ہو اور سب حکومت کے۔ ذاتی سرمایہ رکھنا جو خرابیوں کی جڑ ہے نا قابل معافی جرم ہوگا۔

اگر ان تصوراتی عبوری منازل کے پس منظر کو یعنی موجودہ صورت حالات کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ محنتی مگر محروم الملک طبقہ کی بڑی ردی حالت ہے۔ اس طبقہ کو کام زیادہ اور دیر تک کرنا پڑتا ہے لیکن اجرت بہت کم ملتی ہے بقول علامہ اقبال رح کے ؎

دست دولت آفریں کو مزد یوں ملتی رہی
اہل ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکات

ان غریبوں کے قبضہ میں کوئی اتنی مقدار کی یا ایسی اچھی چیز ہی نہیں ہوتی جس کو دیکھ کر یا استعمال کر کے وہ خوش ہوں وہ جینگا مشتی سے جو روپیہ وہ بچوں کا اور اپنا پیٹ کاٹ کر جمع کرتے ہیں وہ یا تو رشوت میں حکامانِ عادل کی نذر کر دیا جاتا ہے یا سود خوار سرمایہ دار کی

"اندھی" قسطوں میں نہ ختم ہونے والے سلسلہ کے ساتھ جاتا رہتا ہے
پڑھے لکھوں کو یا تو محنت ملتی ہی نہیں اور اگر ملتی ہے تو ان کے معیار زندگی
(STANDARD OF LIVING) سے بہت ہی کم۔ اس لئے درمیانی طبقہ
کے پڑھے لکھے لوگ جو بیکار پھرتے ہیں، کسان، مزدور اور ہر محروم الملک
مقہور و مظلوم طبقہ کے لوگ اب سرمایہ دار اور موجودہ غلط بنیاد کی
جمہوریت کے پردوں میں چھپے، صدائے انانیت لگانے والوں کے،
مذہبی ٹھیکہ داروں اور حکامان مقامی و ریاستی کے خلاف ایک مصمم
ارادہ لے کر کھڑے ہو گئے ہیں۔ ان کے دلوں میں انقلاب کی آگ کے
شعلے بھڑک اٹھے ہیں جو آج نہیں تو کل دشمنوں کے خون ہی سے
بجھیں گے۔ وہ اب سمجھ چکے ہیں کہ دنیا کے ساتھ جو کچھ کیا وہ ہم نے
کیا اور جو کچھ کر سکتے ہیں وہ ہم مثلاً اگر کھیتی، بہشتی، دھوبی، کسان
مزدور، قلی، لکڑہارے، راج اور حمال کام چھوڑ دیں تو نہ صرف سرمایہ دار
کی بلکہ سمجھئے دوسرے طبقوں کی بھی موت ہی آجائے۔ وہ دیکھ چکے ہیں
کہ سب کچھ کر کے بھی ہم ذلیل اور محروم الملک ہیں اور کچھ نہ کر کے بھی
مخالف طبقے باعزت اور صاحب ملک و جائداد ہیں تو پھر کیوں نہ
ان کی مخالفت پر آمادہ ہوں اب وہ اور ان کے ہمدرد سرمایہ داروں
اور ان کے دوست داروں کے خلاف کسی دن اٹھ کر اہیں گے اور اس
انقلاب میں ارباب حشمت کا تختہ الٹ دیا جائے گا۔ ہر جگہ مزدور حکومت
قائم کی جانے کی کامیاب توقعات موجودہ سیاست و حالات سے وابستہ

ہیں۔ جس کے بعد نہ صرف مزدور بلکہ ہر طبقہ خوش حال رہے گا کیونکہ اس انقلاب کی تکمیل ہے تو طبقاتی بنیاد پر مگر انقلاب کے بعد جماعت کی جو نوعیت ہوگی اس کی بنیاد خود طبقات کی تنسیخ پر ہوگی اور اگر طبقات بٹنے پر تقسیم ہوئی تو انسانیت کی نہیں کام کی تقسیم ہوگی یعنی قدرتی مجبوریوں کو مد نظر رکھتے ہوئے جو جس قابلیت، اہلیت اور ذوق کا شخص کا آدمی ہوگا اس کو اسی قابل کام سپرد کیا جاتا تھا مگر محنت کے بعد جو اشیاء ریاست کے صدر کو میسر ہوں گی وہی اک کان کے مزدور کو دی جائیں گی جو قدرتاً غبی ہونے کی وجہ سے یا کسی اور قدرتی مجبوری سے پڑھ تو نہ سکا مگر محنت دن بھر کرتا ہے اور اس کا اشیائے خورد و نوش اور ملبوسات پر وہی حق ہے جو سیاسی گتھیاں سلجھانے والے صدر جمہوریہ کا ہے۔

ان ہی اصولوں کی بنا پر اشتمالیوں کا یہ نظریہ ہے کہ باوجودیکہ سرمایہ دار طبقہ سے ان کی جنگ ایک محروم الملک طبقہ کی طرف سے ہے مگر درحقیقت یہ جنگ تمام ہی نوع انسان کی نجات کے لئے ہے اور موجودہ نظام کی ہر ذہنی و اقتصادی خرابی کے خلاف ہے یہی پروگرام اشتمالیوں کا ایمان ہے۔

اشتمالیت کے بنیادی اصولوں کا تخیل کارل مارکس نے یوں پیش کیا ہے:۔

(۱) ۔ زمانۂ انقلاب کی عبوری منزل میں ریاست کو رعایا اور تمام طاقت پر اقتدار حاصل ہوگا اور خود حکومت پر مزدوروں کا تسلط ہوگا۔

(۲) ۔ وہ منزل جس میں تنسیخ طبقات ہو گی اور ریاست کی طاقت بہ حیثیت ریاستی اقتدار کے، رعایا کی بہبودی اور ایک اعلیٰ قسم کے اقتصادی پروگرام میں مدغم ہو جائے گی اور جماعت اشتمالی اصولوں پر کاربند ہو گی

انقلاب کی عبوری منزل

اگر انقلاب کے بعد ریاست پر اقتدار حاصل ہو بھی جائے تو مزدوروں کی ہر امکانی کوشش سے ریاست سے سرمایہ دارانہ نظام بالکل مٹا دینا چاہیئے کیونکہ بقول لینن کے "کوئی سنجیدہ سے سنجیدہ اور شدید سے شدید انقلاب کیوں نہ ہو سرمایہ داروں کی مدافعت میں ایک طویل، دیرپا اور شدید جد و جہد ہی فتح یاب جماعت کے تسلط و اقتدار کی ضمانت کر سکتی ہے۔ اس طبقہ کو انقلاب کے بعد بھی برسوں مظلوم طبقہ کے مقابلہ میں غیر معمولی فوائد حاصل رہیں گے۔ یہ طبقہ مظلوم اکثریت کے کسی فیصلہ کے سامنے بغیر اپنے سابقہ فوائد کو ایک فیصلہ کن جنگ یا ایک سلسلۂ جنگ کی صورت میں استعمال کئے ہرگز نہیں جھکے گا"

ان حقائق کو پیش نظر رکھ کر اور یہ خیال کرتے ہوئے کہ سرمایہ دار طبقہ کو اعلیٰ تعلیم، نظم و ضبط اور فوجی مہارت جیسے ذرائع حاصل ہیں اور ان کے قائم رکھنے اور زیادہ کرنے کے لئے جیب میں پیسہ ہے یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ سرمایہ دار ایک سرسری انقلابی ہنگامہ سے بے دخل نہ ہوں گے اور اگر وہ بے دخل نہ کئے گئے تو پھر ایک جابر سرمایہ دارانہ نظام قائم ہو جائے گا۔

اس لئے ایک شدید انقلاب برپا کیا جائے اور موجودہ اشتمالیوں کے نظریہ کے مطابق اگر سرمایہ داروں کے خلاف تشدد بھی استعمال کرنا پڑے تو بیجا نہ ہوگا کیونکہ انقلاب کے بعد وہ منزل آتی ہے جس میں سب چین و آرام سے زندگی بسر کریں گے اور عبوری منزل کی تشدد آمیز وقتی آمریت ایک مستقل اور امن پسند جمہوریت میں تبدیل ہو جائے گی ورنہ اقتدار قائم نہیں رہ سکے گا اور انقلابی محروم الملک طبقہ کا وہی حشر ہوگا جو برلن کیمون (۱۸۷۱ء) اور برطانیہ کی جمہوری مزدور پارٹی کا ہوا۔ جبکہ ریمزے میکڈانلڈ کی حکومت ختم کر دی گئی۔

انقلابی زمانے کے بعد کی منزل

سرمایہ داروں کی سرکوبی کے سلسلہ میں ریاست خود اپنے زوال کی طرف بڑھتی ہے کیونکہ جس حد تک وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب ہوتی ہے اسی کے ساتھ ساتھ بالکل اسی تناسب سے اس کا وجود زائل ہوتا جاتا ہے چونکہ اس کی بنا رتعمیر طبقاتی ہوتی ہے اور اس کا مقصد طبقاتی مفادات کی توسیع و تبلیغ۔ اس لئے جب طبقاتی امتیاز کو وہ مٹانے کی کوشش کرتی ہے تو اس کے ساتھ اس کا مقصد وجود ــــــ امن اور مفاد ــــــ بھی فوت ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد بقول لینن ریاست پژمردہ ہو جائے گی اور اس کی جگہ رضا کارانہ پنچایتوں سے مرکب ایک سماج لے لے گا جس کی پنچایتی جماعتیں قومی ریاست کے اہتمام و انصرام

کے لئے قائم ہوں گی۔ پہلی جماعت کا یہی وہ منتہائے بے نظیر ہے جس کا آغاز اس بات کی دلیل ہوگا کہ اب انقلابی دور ختم ہوگیا ہے، اپنے اثرات و نتائج کے لحاظ سے بھی اب یہ وہ جماعت ہوگی جس میں مکمل آزادی حاصل ہوگی اور جس کے قیام کے لئے نراجی بھی جد و جہد کرتے ہیں۔

نظریۂ اشتمالیت میں جدید رجحانات

مارکس اور اینجلز کے اساسی اصولوں میں تو تبدیلی نہیں کی گئی ہے ہاں ان کی تعلیمات کی روح کلیۃً ویسی ہی رکھ کر سرسری طور پر کچھ تعبیرات مارکس کے بعد اور خصوصاً اکتوبر ۱۹۱۷ء کے روسی انقلاب کے بعد رونما ہوگئے ہیں جو ضروری بنیادیں ہونا بھی چاہیئے تھے۔ ابتداء سے اب تک اشتمالیت کے اصول وہی رہے اور انقلاب کی بھی نظری حیثیت سے اور اکثر عملی حیثیت سے دو ہی منزلیں رہیں ایک تو سرمایہ دارانہ جماعتی نظام ہٹانے کے لئے تشدد آمیز آمریت اپنا دور، دوسری منزل امن و مفاد و جمہوریت صرف ایک نیا پہلو مارکس اور اینجلز کے نظائر اشتمالیت سے ہٹ کر یہ نکالا گیا ہے کہ جمہوریت کے معمولی تخیل اور جنگ جویانہ اقتضا کے درمیان جو بیّن فرق ہے اس پر اس اعلان میں سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے جو روسی اشتراکیوں نے انقلاب روس ۱۹۱۷ء کے بعد شائع کیا۔

اشتمالیت اور جمہوریت

انقلاب کے بعد اشتمالی جمہوریت قائم ہوگی جس میں امن ہوگا،

امورِ عامہ کا باقاعدہ انتظام ہوگا۔ سرمایہ سب ریاست کا ہوگا اور ریاست سب کی ہوگی اس لئے "کام اور دام" سب پر برابر منقسم ہوں گے اور سب کے ساتھ برابر کا برتاؤ ہوگا اور ہر قسم کی یکسانیت اور آزادی حاصل کرکے سب امن چین کی زندگی بسر کریں گے اور نام تو یہ ہوگا کہ یہ مزدوروں کی حکومت ہے مگر وہ حکومت تنسیخ طبقات پر کاربند رہے گی اور اس کا منشا ہوگا "کماؤ اور کھاؤ" صرف بیماروں، معذوروں اور بچوں کی کفالت حکومت کرے گی اور کام کے لحاظ سے بقیہ سب مزدور ہوں گے صرف اسی لحاظ سے یہ مزدوروں کی حکومت ہوگی — چونکہ سب کو برابر کام اور حقوق ملیں گے اس لئے ایک بہترین ذہنی و اقتصادی اصلاح کے پروگرام کے ساتھ اشتمالی جمہوریت میں سب کے سب خوش و خرم رہیں گے۔ اور بہر صورت یہ موجودہ تصوراتی جمہوریت بروئے کار آکر رہے گی لیکن رجعت پسند جمہوری تخیل سے بالکل مختلف

سلطانیٔ جمہور کا آتا ہے زمانہ
جو نقش کہن تم کو نظر آئے مٹا دو

(اقبال)

اشتمالیین موجودہ جمہوریت سے بدگمان ہی نہیں بلکہ وہ اس کو جمہوریت ہی نہیں سمجھتے کیونکہ جب کثیر تعداد میں افراد سوسائٹی محروم الملک رہیں تو ایسی حالت میں انفرادی آزادی اور مکمل خوشی کا چرچا کرنا مہمل ہے اور اس جمہوری نظام کو اپنے لئے مفید کہنا بالکل حماقت

دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری

اشتمالیین کا یہ عقیدہ ہے کہ حکومت کی بنیاد کیسی ہی جمہوریہ النوع ہو جب تک وہ دولت آفرینی کے ذرائع پیدا کرنے والوں کے ہاتھ میں رہے گی مکمل آزادی اور خوشی ناممکن ہے ظاہر ہے کہ اس شکل میں زیادہ بولی لگانے والے کو مزدور اپنی زندگی اور نسل بیچ دیتا ہے اور دبا ہوا اور محروم الملک طبقہ زیادہ ہو جانے کی وجہ سے جمہوریت کا اصل مقصد یعنی "کثیر التعداد لوگوں کی زیادہ سے زیادہ بہبودی" (THE GREATEST GOOD OF THE GREATEST NUMBER) فنا ہو جاتا ہے۔

مزدوروں کو مکمل تعلیم دے کر پریس اور پلیٹ فارم پر قبضہ پاکر تحریر و تقریر سے لوگوں کو ہم خیال بنایا جائے یا کٹر مقلدین مذہب کے الفاظ میں اسلام اور سوشلزم کے متحدہ اصولوں پر لوگوں کو کاربند کر کے عالمگیر اخوت میں منسلک کر دیا جائے۔ اشتراکی انقلاب برپا کر کے (جو ذہنی انقلاب ہوگا) عبوری منزل میں سرمایہ داری کی لعنت کو ختم کر دیا جائے اور انقلاب کے بعد ایک مضبوط اور غیر جانبدار امن پسند جمہوریت قائم کی جائے جس میں اتحاد و خوش حالی کو نقصان پہنچانے والوں کی سزا موت جیسا عبرت خیز انجام ہو اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کی بیش از بیش خوش حالی اور فلاح و بہبود کی عملی پیرایہ میں کوشش کی جائے۔

یہی بہترین اور مکمل جمہوریت ہے جو اشتمالی جمہوریت ہوگی اور اس میں ہر حیثیت سے سب برابر اور خوش رہیں۔ کیونکہ سرمایہ دارانہ تہذیب جماعت کے سلسلۂ ارتقا میں اپنی عمر طبعی سے زیادہ زندگی پا چکی ہے اور اب اس کی لعنتوں سے دنیا کو محفوظ رکھنے کے لئے صرف ایک ہی ذریعہ ہے یعنی وہی ایک مضبوط اور راسخ العزم انقلابی جمعیت جو وقت آنے پر سرمایہ داری کو مکمل طور پر ختم کرنے کا پورا ارادہ رکھتی ہو اور اس کی جگہ پر قائم کرنے کے لئے ایک مرتب و منظم نظامِ معیاری کا حسین تصور رکھے

گفت رومی ہر بنائے کہنہ کآباداں کنند
می ندانی اول آں بنیاد را ویراں کنند

تمت بالخیر

سالک الہاشمی (علیگ)

سلیمی پریس چھوپر الہ آباد

Date	No.	Date	No.
14 Oct	9.67		
	9.46		